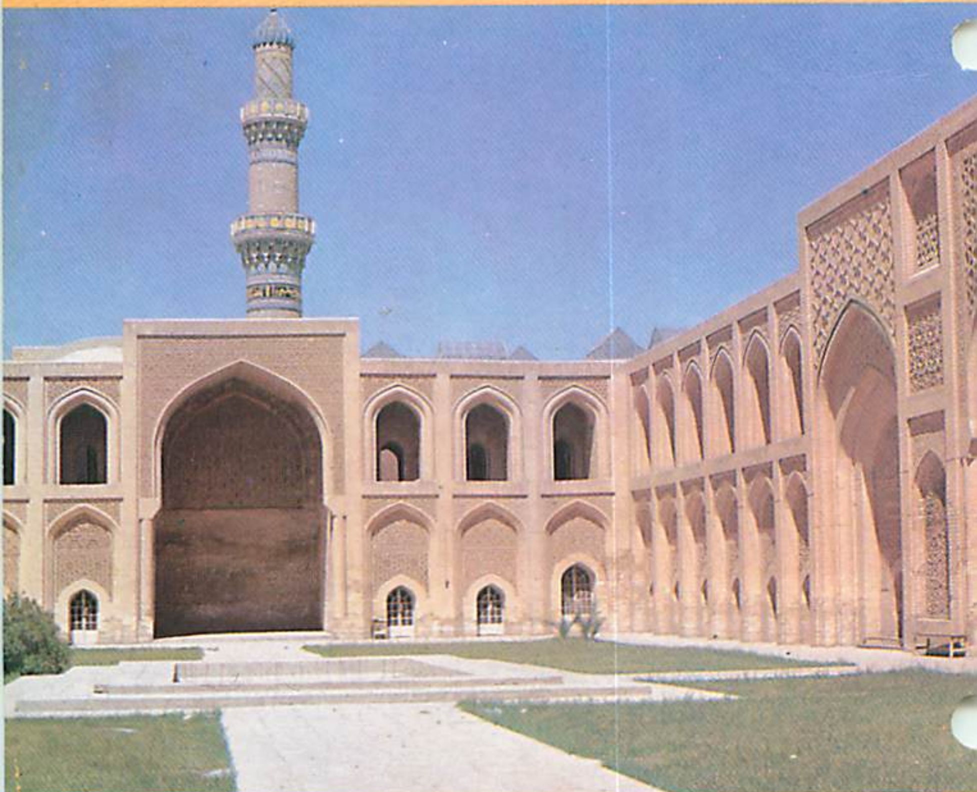
# الرسالہ
# Al-Risala

March 1995 • Issue 220 • Rs. 7

سوچ کر بولنے کا نام بولنا ہے ، اور
منصوبہ کے تحت عمل کرنے کا نام عمل کرنا۔



Mustansiriyya, Baghdad

# WOMAN BETWEEN ISLAM AND WESTERN SOCIETY

By Maulana Wahiduddin Khan

The status of woman in Islam is the same as that of man. Injunctions about honour and respect enjoined for one sex are enjoined equally for the other sex. So far as rights in this world and rewards in the Hereafter are concerned, there is no difference between the sexes. In the organization of daily living, both are equal participants and partners. Yet Islam sees man as man and woman as woman and, considering the natural differences, it advocates the principle of the division of labour between the two sexes rather than the equality of labour.

Price Rs. 85
ISBN 81-85063-75-3

AL-RISALA BOOKS
The Islamic Centre
(Publications Division)
1, Nizamuddin West Market, New Delhi 110 013
Tel. 4611128, 4697333
Fax: 91-11-4697333

Distributed by
UBS Publishers' Distributors Ltd.
5 Ansari Road, New Delhi 110 002
Bombay Bangalore Madras Calcutta Patna Kanpur London

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# الرسالہ

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خان
صدر اسلامی مرکز

اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع ہونے والا اسلامی مرکز کا ترجمان

مارچ ۱۹۹۵، شمارہ ۲۲۰



**AL-RISALA (Urdu) Monthly**
1, Nizamuddin West Market, New Delhi-110 013, Tel. 4611128, 4697333
Fax: 91-11-4697333
**Single copy Rs. 7 ☐ Annual Subscrption Rs. 70/$ 20 (Air mail)**
Printed and published by Dr Saniyasnain Khan at Nice Printing Press, Delhi

# امتیازی صفت

اسلام ایک محفوظ مذہب ہے۔ اس لئے اس کے اندر یہ امتیازی صفت پائی جاتی ہے کہ وہ انسانی عقل اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ عقل غور وفکر یا علمی ترقی کا کوئی بھی درجہ ایسا نہیں جہاں اسلام میں اور عقل میں ٹکراؤ پیش آجائے اور انسان کے سامنے یہ مسئلہ پیدا ہوجائے کہ اگر وہ مذہب کو لیتا ہے تو اس کو علم اور عقل کے تقاضوں کو پہلے چھوڑنا پڑے گا۔

جارج برنارڈ شا نے اسلام کی اس صفت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب اسلامی اصلاح کی تحریک اٹھی تو اس کے پیروؤں کو یہ زبردست موقع ملا کہ ان کا مذہب دنیا میں واحد قائم شدہ مذہب تھا جس کے عقائد کو کوئی بھی ذہین اور تعلیم یافتہ آدمی تسلیم کر سکتا تھا:

When the Mahomedan reformation took place, it left its followers with the enormous advantage of having the only established religion in the world, in whose articles of faith, any intelligent and educated person could believe.

اسلام کی اسی خاص صفت کا یہ نتیجہ ہے کہ سائنسی دور سے پہلے کے زمانہ میں بھی لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہوتے رہے اور آج سائنسی دور میں بھی ساری دنیا میں لوگ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ ذہن کے لئے اسلام کو قبول کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ یہاں وہ اس مشکل سوال سے دوچار نہیں ہوتا کہ اسلام کو لے تو علم وعقل کو چھوڑنا پڑے گا اور علم وعقل کو لے تو اسلام کو چھوڑنا ضروری ہو جائے گا۔ اِلّا یہ کہ مصنوعی طور پر وہ اپنے ذہن کے دو خانے بنا لے۔ ایک میں اپنے دین کو رکھے اور دوسرے میں اپنے علم کو۔

جارج برنارڈ شا نے جس چیز کو دور اول کے اہل اسلام کے لئے عظیم موقع (enormous advantage) کہا ہے وہ موقع آج کے اہل اسلام کے لئے بھی پوری طرح موجود ہے۔ تاہم وہ استعمال نہیں ہو رہا ہے۔ اس کی راہ میں واحد رکاوٹ وہ قومی نفرت ہے جو داعی اور مدعو کے درمیان غلط طور پر قائم ہوگئی ہے۔ اس رکاوٹ کو اگر دور کر دیا جائے تو دوبارہ اسلام ایک عظیم سیلاب کی مانند انسانی آبادیوں میں داخل ہو جائے گا۔

# محنت کی روزی

صحیح البخاری، کتاب البیوع (باب کسبِ الرجلِ وعملِه بیدہ) کے تحت چند حدیثیں منقول ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث یہ ہے جس کو امام بخاری نے مقدام رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے درج کیا ہے :

ما اکل احد طعاماً قطّ خیراً من ان یأکل من عمل یدہ وَاِنّ نبی اللہ داؤد علیہ السلام کان یاکلُ مِن عَمَلِ یدہٖ

کسی آدمی نے کبھی اس سے اچھا کھانا نہیں کھایا کہ وہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھائے۔ اور اللہ کے رسول داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔

"ہاتھ کی کمائی" سے مراد اپنی محنت کی کمائی ہے۔ اور محنت کی کمائی بلاشبہ تمام کمائیوں میں سب سے اچھی کمائی ہے۔ محنت کی کمائی اور بے محنت کی کمائی میں اتنا زیادہ فرق ہے کہ اس کو انسانی زبان میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

بے محنت کمائی کیا ہے۔ مثلاً آپ کے والد آپ کے لئے بہت سی عمارتیں چھوڑ گئے ہیں جن کے کرایہ پر آپ آرام سے رہ رہے ہیں۔ بنک میں آپ کی کوئی بڑی رقم جمع ہے جس کا انٹرسٹ ہی آپ کے ماہانہ خرچ کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ آپ کو اتفاق سے کوئی ایسی گدی مل گئی ہے جس میں چندے، ہدیے اور تحفے تحائف آتے رہتے ہیں اور لوگ خود آکر آپ کو نذرانہ پیش کرتے رہتے۔ پٹرو ڈالر کا کوئی دہانہ آپ کو مل گیا ہے اور صرف کچھ خوبصورت الفاظ بول کر آپ بڑی بڑی رقمیں حاصل کر لیتے ہیں۔

اس قسم کی تمام کمائی بے محنت کی کمائی ہے۔ ایسی کمائی آدمی کے بدن کو تو موٹا کرتی ہے مگر اس کی روح کے لئے وہ قاتل ہے۔ ایسی ہر کمائی آدمی کی شخصیت کے ارتقاء کے لئے مستقل رکاوٹ ہے۔ ایسے آدمی میں اور خوبصورت حیوان میں کوئی فرق نہیں۔

محنت کی کمائی وہ ہے جس کے لئے آپ کو خود سوچنا پڑے۔ جس میں نفع کے ساتھ گھاٹے کا بھی اندیشہ ہو۔ جس کا حصول تمام تر آپ کی ذاتی جدوجہد پر منحصر ہو۔

ایک ہے دوسرے کی کمائی پر جینا۔ دوسرا ہے خود اپنی کمائی پر جینا۔ حدیث میں دوسرے کی کمائی پر جینے کو کمتر ذریعہ بتایا گیا ہے۔ زیادہ بہتر اور اعلیٰ ذریعہ یہ ہے کہ آدمی خود اپنی محنت کی کمائی پر جئے۔

# زکوٰۃ وصدقات

جب ایک آدمی زکوٰۃ اور صدقہ کے تحت کسی کو کچھ دیتا ہے تو بظاہر وہ کسی غیر کو دے رہا ہوتا ہے۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے اس کا رخ خود دینے والے کی طرف ہوتا ہے۔ دوسرے کو دے کر آدمی خود اپنی پاکی کا اہتمام کرتا ہے۔

ایسا کرکے آدمی اپنے دل سے مال کی محبت کو نکالتا ہے۔ وہ اس یقین کو تازہ کرتا ہے کہ اس کے پاس جو مال ہے وہ خدا کی امانت ہے نہ کہ اس کی ذاتی ملکیت۔ اس طرح وہ اپنے اندر اس احساس کو جگاتا ہے کہ اس کے اوپر دوسروں کا حق ہے۔

زکوٰۃ یا صدقہ اس بات کی تربیت ہے کہ آدمی انسان کو دے مگر وہ اس کا بدلہ خدا سے پانے کی امید رکھے۔ وہ یک طرفہ طور پر دوسرے انسانوں کا خیر خواہ اور مددگار بنے۔ وہ اپنی زندگی میں ایسے لوگوں تک کا حق سمجھے جن سے اسے کچھ پانے کی امید نہ ہو۔

زکوٰۃ دینا گویا کہ دوسروں کے لیے نفع بخش بننا ہے۔ اس طرح زکوٰۃ آدمی کے لیے اس یاددہانی کا ذریعہ ہے کہ تم کو اس دنیا میں مانگنے والا نہیں بننا ہے بلکہ دینے والا بننا ہے۔ تم کو اپنے حقوق سے زیادہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا ہے۔ تمہیں اپنے آپ کو اس قابل بنانا ہے کہ تمہارا ہاتھ ہمیشہ اوپر رہے، وہ کبھی نیچے نہ ہونے پائے۔

زکوٰۃ گویا ایک قسم کی عملی دعا ہے۔ زکوٰۃ دینے والا اس لیے دیتا ہے تاکہ وہ خدا سے پائے۔ وہ اس لیے دوسروں کے کام آتا ہے تاکہ خدا اس کے کام بنادے۔ وہ اس لیے یک طرفہ طور پر مدد پہنچاتا ہے تاکہ خدا بھی اس کو یک طرفہ طور پر اپنی رحمت اور بخشش کے سایہ میں لے لے۔

اس دنیا میں بظاہر ایک آدمی بے مال ہے اور دوسرا آدمی صاحب مال۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے ہر آدمی محتاج ہے۔ کیوں کہ کسی کا مال بھی ذاتی مال نہیں۔ ہر آدمی کا مال خدا کا عطیہ ہے۔ مال والا ایک آدمی جب کسی بے مال والے کو کچھ دیتا ہے تو اس عمل کے ذریعہ وہ خود اپنی ہی حقیقت کو اپنے ذہن میں تازہ کرتا ہے۔ وہ گویا زبان حال سے یہ کہتا ہے کہ میں بھی وہی ہوں جو تم ہو۔ اگر خدا چاہے تو کل کے دن وہ میرا حال تمہارے جیسا کر دے اور تمہارا حال میرے جیسا۔

# دو قسم کے آدمی

ایک آدمی وہ ہے جو کم بولے اور زیادہ کرے۔ دوسرا آدمی وہ ہے جو زیادہ بولے اور کم کرے۔ پہلی قسم کا آدمی ہی آدمی ہے، دوسری قسم کا انسان آدمی کے بھیس میں غیر آدمی ہے۔

ہندستان میں ایمرجنسی (۷۷-۱۹۷۵) کے زمانہ میں فخر الدین علی احمد صدر جمہوریہ تھے۔ ان کے پاس یوپی کا ایک مسلمان آیا۔ اس نے کہا کہ میرے بھائی کو پولیس نے میسا کے قانون کے تحت گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا ہے، حالاں کہ وہ بالکل بے قصور ہے۔ فخر الدین علی احمد نے بھائی کا نام و پتہ لکھ کر مذکورہ مسلمان کو رخصت کر دیا۔ انھوں نے سمجھا کہ فخر الدین صاحب نے ان کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی۔ مگر جب وہ ٹرین سے سفر کر کے اپنے گھر پہنچے تو ان کے بھائی رہا ہو کر گھر واپس آچکے تھے۔

قصہ یہ تھا کہ مذکورہ مسلمان کو رخصت کرنے کے بعد فخر الدین علی احمد صاحب نے اپنے سکریٹری سے کہا کہ فلاں ضلع کے کلکٹر کو ٹیلیفون کرو اور اس سے کہو کہ اِس نام کے ایک صاحب آپ کے یہاں جیل میں ہیں۔ صدر صاحب نے ان کی خیریت پوچھی ہے۔ کلکٹر نے جب یہ سنا تو وہ ڈر گیا۔ وہ سمجھا کہ جس آدمی کو اس نے جیل میں بند کر رکھا ہے، وہ کوئی اہم شخصیت ہے، اسی لئے تو صدر صاحب اس کی خیریت پوچھ رہے ہیں۔ چنانچہ فوراً ان کو جیل سے رہا کر دیا۔

دہلی کے ایک صاحب مجھ سے اکثر کہتے تھے کہ انگریزی اخباروں میں میرے تعلقات ہیں۔ میں مسلم نوجوانوں کو انگریزی اخبارات میں جگہ دلا سکتا ہوں۔ مگر مسلمانوں میں شوق ہی نہیں۔ اس کے بعد میری ملاقات ایک مسلم نوجوان سے ہوئی۔ انھوں نے انگریزی سے ایم اے کیا تھا اور محنتی بھی تھے۔ میں نے ان کو مذکورہ صاحب کے پاس بھیجا۔ انھوں نے نوجوان کو مکتوب الیہ کا نام درج کئے بغیر ایک خط لکھ کر دیا جس کا مضمون یہ تھا: "میں اِن سے براہ راست واقف نہیں۔ آپ ان کا ٹسٹ لے لیں اور اپنے ٹسٹ میں جیسا پائیں اس کے مطابق ان سے معاملہ کریں"۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ نوجوان نے اس خط کو استعمال نہیں کیا۔

زندگی میں کرنے کی اہمیت ہے نہ کہ بولنے کی۔ کم بولنا اور زیادہ کرنا، آدمی کو باقیمت بناتا ہے۔ اس کے برعکس زیادہ بولنا اور کم کرنا آدمی کو بے قیمت بنا دیتا ہے۔ بندوں کی نظر میں بھی اور خدا کی نظر میں بھی۔

# صحیح طریقہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ سلطنت دسویں صدی قبل مسیح ہے۔ انھوں نے یمن کی حکمراں ملکۂ سبا کے نام یہ خط بھیجا کہ تم لوگ میرے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور بلا مقابلہ میری اطاعت قبول کر لو۔ ملکہ نے اپنے درباریوں سے مشورہ کیا۔ انھوں نے عدم اطاعت اور ٹکراؤ کا مشورہ دیا۔ اس پر ملکۂ سبا نے کہا: بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو خراب کر دیتے ہیں۔ اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ اور یہی یہ لوگ کریں گے (النمل ۲۱-۳۴) اس کے بعد ملکۂ سبا نے حضرت سلیمان کی اطاعت قبول کر لی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حکمراں سے ٹکراؤ کا نتیجہ اگر فساد اور تباہی کی صورت میں نکلنے والا ہو تو ٹکراؤ سے بچتے ہوئے اس سے مصالحت کر لینا چاہئے۔ جو اقدام الٹا نتیجہ پیدا کرنے والا (counter-productive) ہو اس سے احتراز کرنا عقل کا تقاضا بھی ہے اور اسلام کا تقاضا بھی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی عدم احتیاط کی بنیاد پر بالفعل ٹکراؤ میں مبتلا ہو جائے اور اس کا نقصان اس کے حصہ میں آنے لگے۔ ایسے لوگوں کے لئے قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ وہ تضرع کا طریقہ اختیار کریں (الانعام ۴۳)، یعنی وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ وہ اللہ سے رہنمائی اور مدد کے طالب بن جائیں۔

یہ ایمان اور عقل کے اعتبار سے دوسرا مطلوب طریقہ ہے۔ یہ غلطی کے بعد ندامت کی روش اختیار کرنا ہے۔ اگر کوئی شخص اس کا ثبوت دے تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے مقبول بندوں میں شمار کیا جائے گا۔ اس کے برعکس جو لوگ ایسا کریں کہ وہ بھڑک کر اہل اقتدار سے لڑ جائیں اور جب قانون الٰہی کے مطابق، ہلاکت اور نقصان سے دوچار ہوں تو یہ اعلان کرنا شروع کر دیں کہ ان کے خلاف ظلم ہو رہا ہے۔ ان کی نسل کشی کی جا رہی ہے۔ وغیرہ۔ ایسے لوگ بلاشبہ اللہ کے راستہ سے بھی بھٹکے ہوئے ہیں اور عقل کے راستہ سے بھی بہت دور ہیں۔

اقدام کے صحیح یا غلط ہونے کا معیار نتیجہ ہے نہ کہ کوئی خودساختہ نظریہ۔

# تکرار کی حکمت

قرآن میں ہے کہ اے مومنو، اللہ کا ذکر کثیر کرو (الاحزاب ۴) حدیث میں ان لوگوں کی فضیلت آئی ہے جو اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتے ہیں (مشکاۃ المصابیح ۲/۶۹۸) بہت سے الفاظ یا کلمات کے بارہ میں عدد کی صراحت کے ساتھ اس کی اہمیت بتائی گئی ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قال سبحان اللہ وبحمدہ فی یوم مائۃ مرۃ حطت خطایاہ وان کانت مثل زبد البحر (متفق علیہ)

جو شخص دن میں سو بار کہے کہ سبحان اللہ وبحمدہ تو اس کی سب خطائیں مٹ جائیں گی خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

الفاظ یا کلمات کی اس تکرار میں اصل اہمیت تکرار کی نہیں بلکہ نتیجۂ تکرار کی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سات یا دس یا سو کی گنتی میں کوئی پر اسرار خاصیت چھپی ہوئی ہے۔ اور اگر اس مقرر عدد کے ساتھ اس کو دہرا دیجئے تو محض عدد پورا ہونے کی بنا پر وہ عظیم ثواب کا باعث بن جائے گا۔ اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ کسی خاص کلمہ کو بار بار کہنے سے اس کے موافق کیفیت ابھرے گی۔ یہ کیفیت آدمی کے اندر روحانیت اور ربانیت پیدا کرے گی۔ پھر اس حالت میں وہ جو دعا یا عبادت کرے گا وہ اتنی خالص ہوگی کہ فرشتے اس کو لینے کے لئے دوڑیں گے۔ ایسا عمل اپنی کیفی خصوصیات کی بنا پر سیدھے خدا تک پہنچ جائے گا اور مقبول بارگاہ ہوگا۔

جب آدمی دیر تک قرآن کی تلاوت کرے۔ وہ کثرت سے حمد و تسبیح کے کلمات کو اپنی زبان سے دہرائے۔ وہ فرض نمازوں کے علاوہ مزید سنت و نوافل میں مشغول ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے گرد ایک روحانی ماحول بنتا ہے۔ اس کا ذہن دینی رخ پر یکسو ہو جاتا ہے۔ اس کے اندر ربانی کیفیات ابھر آتی ہیں۔ یہی کیفیت یا روحانیت دین کا اصل مطلوب ہے۔ اس کیفیت کے ساتھ جو زندگی گزرے وہی سچے مومن کی زندگی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو آدمی کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ ابدی جنتوں میں داخل کیا جائے۔

یہ فائدہ تکرار کے کیفی نتیجہ کا ہے نہ کہ مجرد تکرار الفاظ کا۔

# انسانی المیہ

ابا ایبان فروری ۱۹۱۵ میں پیدا ہوا۔ وہ ایک صہیونی لیڈر ہے۔ تاہم اس کا ایک قول زندگی کی ایک حقیقت کو بیان کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ افراد اور قومیں کوئی سنجیدہ کام صرف اس وقت کرتے ہیں جب کہ دوسرے انتخابات کو انھوں نے کھو دیا ہو:

Men and nations do the sensible thing only after they have exhausted the other options.
Abba Eban, *Liberty's Nation.*

کہنے والے نے یہ بات دنیا کے بارہ میں کہی ہے۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ کوئی شخص ہو یا کوئی گروہ وہ اس وقت تک سنجیدگی اور معقولیت کو اختیار کرنے پر راضی نہیں ہوتا جب تک اس کے لئے غیر سنجیدہ اور غیر معقول رویہ اختیار کرنے کا موقع سرے سے چھن گیا ہو۔

دنیا میں ہر طرف انفرادی اور اجتماعی سطح پر ظلم، دھاندلی، بے انصافی، بددیانتی اور جھوٹ کے مناظر دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ لوگوں کو اپنے حالات کے اعتبار سے ایسا کرنے کا موقع حاصل ہے۔ کوئی شخص یا گروہ اس سے اسی وقت دست بردار ہوتا ہے جب کہ اس قسم کی روش کا موقع اس کے لئے باقی نہ رہے۔

یہی واقعہ زیادہ بڑے پیمانہ پر قیامت کے دن پیش آئے گا۔ دنیا میں امتحان کی بنا پر ہر شخص کو آزادی ہے۔ اس لئے اس کو یہ موقع حاصل ہے کہ وہ چاہے تو حق کا انکار کر دے۔ وہ چاہے تو حق کو اس طرح نظر انداز کر دے گویا کہ اس کا وجود ہی نہیں۔ مگر قیامت کے دن یہ موقع آخری حد تک ختم ہو جائے گا۔

لوگ اس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب کہ انھیں مجبورانہ اعتراف کرنا پڑے، حالانکہ مجبورانہ اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں۔ لوگ اس آنے والے دن کے منتظر ہیں جب کہ انھیں حق کی ادائگی پر مجبور کر دیا جائے، حالاں کہ مجبورانہ ادائگی کی کوئی اہمیت نہیں۔ لوگ اس دن کے منتظر ہیں جب کہ ان کے لئے انصاف کے سوا کوئی اور چارہ باقی نہ رہے۔ مگر مجبورانہ انصاف ذلت کا ایک واقعہ ہے نہ کہ عزت کا واقعہ۔ یہ ایک ایسا انسانی المیہ ہے جس سے بڑا المیہ اور کوئی نہیں۔

# غیر فطری عقیدہ

موجودہ مسیحیت کا ایک بنیادی عقیدہ کفارہ (Atonement) ہے۔ یعنی آدم کے ممنوعہ پھل کھانے کے بعد نہ صرف آدم بلکہ تمام انسان پیدائشی گنہ گار ہو گئے۔ نسل آدم کو اس پیدائشی گنہ گاری سے بچانے کے لئے خدا نے اپنا اکلوتا بیٹا زمین پر بھیجا تاکہ وہ مصلوب ہو کر نسل انسانی کے گناہ کا کفارہ بن جائے۔

یہ عقیدہ عقلی اعتبار سے نا قابل فہم ہے اور علمی اعتبار سے بھی وہ بالکل لغو ہے۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن نے اس کے علمی پہلو کے بارہ میں بجا طور پر لکھا ہے کہ اگر نسل انسانی کو پیدائشی گنہ گاری سے بچانے کے لئے خدا کی اسکیم یہی تھی کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو دنیا میں بھیج کر مصلوب کرائے۔ تو خدا کو یہ کام بہت پہلے کرنا چاہئے تھا۔

مسیحی عقیدہ کے مطابق، مسیح کی مصلوبیت کے مذکورہ عقیدہ کو ماننے کے بعد ہی آدمی پیدائشی گنہ گاری سے نجات پاتا ہے۔ جو اس پر ایمان نہ لائے اس کے لئے جہنم کی آگ ہے۔ ایسی حالت میں خدا نے نعوذ باللہ ان کروڑوں انسانوں پر بہت بڑا ظلم کیا جن کو اس نے مسیح سے پہلے پیدا کیا۔ مسیح کے بعد پیدا ہونے والے تو مسیح کی مصلوبیت پر ایمان لا کر نجات پا سکتے ہیں۔ مگر جو بے شمار لوگ مسیح سے پہلے پیدا ہوئے، وہ آخر کس جرم میں جہنم میں جائیں گے۔ جب کہ ان کے لئے یہ موقع ہی نہ تھا کہ وہ مسیح کو جانیں اور ان پر ایمان لا کر اپنی نجات کی تدبیر کریں۔

یہ مثالیں بتاتی ہیں کہ اسلام کے خلاف اگر ضد اور عناد کی فضا ختم ہو جائے اور لوگوں کو معتدل ذہن کے ساتھ سوچنے کا موقع دیا جائے تو لوگوں کے لئے اسلام کو قبول کرنے کے سوا کوئی اور چارہ نہ رہے گا۔ داعی کے لئے یک طرفہ صبر کا حکم اسی لئے دیا گیا ہے۔ داعی یک طرفہ صبر و اعراض کے ذریعہ داعی اور مدعو کے درمیان ضد اور عناد کی فضا کو ختم کرتا ہے، تاکہ قبول اسلام کی واحد رکاوٹ دور ہو اور مدعو کے لئے اسلام میں داخلہ کا راستہ آزادانہ طور پر کھل جائے۔

# موت کا شعور

نباتات، حیوانات اور انسان، تینوں موت سے دوچار ہوتے ہیں۔ ہر درخت آخر کار اپنی سرسبزی کھو دیتا ہے۔ ہر جانور پر ایک وقت آتا ہے جب کہ وہ ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہر انسان جو اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے وہ ایک روز مر جاتا ہے۔ موت اس دنیا کا ایک عالمگیر قانون ہے۔ جس سے کوئی بھی ذی حیات مستثنیٰ نہیں۔

مگر دوسری ذی حیات اشیاء کے برعکس، یہ صرف انسان ہے جو یہ جانتا ہے کہ کسی بھی لمحہ اس کی زندگی ختم ہو جائے گی۔ اور اگر اس کو زندگی کی پوری متوقع مدت مل جائے تب بھی لازماً اس کا جسم تنزل کا شکار ہوگا اور مقرر وقت پر وہ مر جائے گا:

Unlike other living creatures, he knows that his life may be cut short at any moment and that, even if he attains the full expectation of a human life, his growth is bound to be followed by eventual decay and, in due time, death. (18/411)

تمام ذی حیات اشیاء میں صرف انسان کے اندر موت کا تصور ہونا بے حد بامعنی ہے۔ یہ استثناء بتاتا ہے کہ موت کا معاملہ انسان کے لئے اس سے مختلف ہے جو دوسری ذی حیات اشیاء کے لئے ہے۔ دوسری ذی حیات اشیاء کے لئے موت ایک بے خبری کا واقعہ ہے اور انسان کے لئے مکمل طور پر باخبری کا واقعہ۔

انسانی موت کی یہ استثنائی نوعیت اشارہ کر رہی ہے کہ انسان کے لئے موت کے ساتھ شعور موت بھی درکار ہے۔ انسان سے یہ مطلوب ہے کہ وہ موت کا وقت آنے سے پہلے موت کے بارہ میں سوچے، اور اس کا سامنا کرنے کے لئے پہلے سے تیاری کرے۔ دوسری ذی حیات اشیاء کے لئے موت سادہ طور پر خاتمۂ حیات کے ہم معنی تھی، اس لئے ان کو اس کا شعور دینے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر انسان کے لئے موت زندگی کا خاتمہ نہیں، وہ ایک نئے دور حیات کا آغاز ہے۔ اسی لئے ضروری ہوا کہ انسان کو پیشگی طور پر اس مرحلۂ حیات سے آگاہ کر دیا جائے تاکہ وہ اس کے لئے ضروری تیاری کر سکے۔ انسان کو چاہئے کہ وہ شعور کی موت مرے نہ کہ جانوروں کی طرح محض بے شعوری کی موت۔

# قیامت کی خبر

صحافت کی دنیا میں خبروں کے لئے دو اصطلاحیں رائج ہیں۔ کرنٹ اشو (current issue) اور دوسرے بریکنگ نیوز (breaking news) کرنٹ اشو سے مراد وہ موضوع ہے جو روزانہ چل رہا ہو۔ اور بریکنگ نیوز سے مراد وہ خبر ہے جو اچانک خلاف توقع پیش آجائے۔

ایک اخبار کل صبح کے لئے مرتب کیا جا رہا ہے۔ تمام کرنٹ اشو اس نے اپنے صفحات میں لے لئے ہیں۔ اخبار ترتیب کے آخری مرحلہ سے گزر کر اب چھپنے کے لئے پریس میں بھیجا جانے والا ہے۔ اس وقت اچانک یہ خبر آتی ہے کہ وزیر اعظم کو قتل کر دیا گیا۔ یہ ایک بریکنگ نیوز ہے۔ اس کے علم میں آتے ہی اخبار کے صفحہ اول کا نقشہ بدل دیا جائے گا۔ اب دوسری خبروں کو پیچھے ڈال دیا جائے گا یا ان کو حذف کر دیا جائے گا۔ اور وزیر اعظم کے قتل کو پہلی خبر کے طور پر صفحہ اول پر نمایاں کر کے شائع کیا جائے گا۔

ایسا ہی کچھ معاملہ زندگی کا بھی ہے۔ انسان اس دنیا میں اپنے روزمرہ کے مشاغل میں مبتلا ہے۔ انسان کی کچھ معلوم ضرورتیں ہیں یا اس کی کچھ خواہشیں ہیں جن میں وہ صبح و شام مشغول رہتا ہے۔ گویا ہر آدمی "کرنٹ اشوز" کے تحت اپنا اخبار نکال رہا ہے۔

مگر یہ صورت حال ہمیشہ کے لئے باقی رہنے والی نہیں۔ یہاں بھی ایک بریکنگ نیوز آنے والی ہے۔ یہ قیامت کی آمد ہے۔ اسرافیل کا صور اس کی آمد کی خبر دے گا۔ اور پھر زندگی کا سارا چلتا ہوا نقشہ بدل جائے گا۔ اس وقت آدمی تمام دوسری باتوں کو بھول جائے گا۔ تمام دوسری مشغولیتیں اچانک اس سے چھوٹ جائیں گی۔ اس وقت قیامت کی بریکنگ نیوز ہی اس کے اخبار حیات کی اہم ترین خبر بن جائے گی۔ اسی لئے قرآن میں اس خبر کو النبأ العظیم کہا گیا ہے۔

لوگ وقتی مسائل میں الجھے ہوئے ہیں، مستقل مسئلہ پر دھیان لگانے کی کسی کو فرصت نہیں۔ مگر جب پردہ ہٹے گا اور حقیقت سامنے آجائے گی تو لوگ اچانک دہشت زدہ ہو جائیں گے۔ لوگ محسوس کریں گے کہ ہم تو نان اشو میں مصروف تھے، اور اصل اشو سے بالکل بے خبر رہے۔ کیسی عجیب محرومی ہے جس کی طرف تمام انسان چلے جا رہے ہیں۔

# رمضان کا روزہ

رمضان کے روزہ کا حکم دیتے ہوئے قرآن میں کہا گیا ہے کہ یہ روزہ تمہارے اوپر اس لئے فرض کیا گیا ہے تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو (لعلکم تتقون ، البقرۃ ۱۸۳)

تقویٰ کا مطلب بچنا ہے۔ ایک خاردار راستہ ہو اور آپ اس سے بچتے ہوئے گزریں تو یہ تقویٰ ہوگا۔ مومن کو دنیا میں اسی طرح بری چیزوں سے بچتے ہوئے اپنا سفرِ حیات طے کرنا ہے۔ اسی پرہیزگارانہ روش کا نام تقویٰ ہے، اور رمضان کا مہینہ اسی تقویٰ کی ماہانہ تربیت کا مہینہ ہے۔

روزہ میں کھانا اور پانی چھوڑنا ایک علامتی ترک ہے۔ اصل میں جو چیز ترک کرنا ہے وہ تو خدا کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔ غیر ممنوعات کا وقتی ترک اسی ممنوعات کے مستقل ترک کی مشق ہے۔ کیوں کہ جو آدمی اللہ کے لئے غیر ممنوع کو چھوڑنے پر راضی ہو جائے وہ ممنوع کو بدرجۂ اولیٰ چھوڑنے پر راضی ہو جائے گا۔

اس دنیا میں آدمی کا جو امتحان ہے وہ یہی ہے کہ وہ حرام اور حلال میں فرق کرے۔ وہ حق اور باطل کے درمیان تمیز کرنے والا بنے۔ وہ آزاد زندگی کے بجائے پابند زندگی گزارے۔ اسی ذمہ دارانہ زندگی کی تربیت کے لئے روزہ کا طریقہ اہل ایمان کے اوپر فرض کیا گیا ہے۔

روزہ محض اپنی ظاہری صورت کے اعتبار سے مطلوب نہیں ہے۔ بلکہ اپنی حقیقی اسپرٹ کے اعتبار سے مطلوب ہے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ جس آدمی نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ کو اس کی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا اور پانی چھوڑ دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ لوگوں نے ایسا کیا کہ انھوں نے کھانے پینے کا روزہ رکھا۔ اور اسی کے ساتھ انھوں نے غیبت کا فعل کیا جو اسلام میں حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ انھوں نے اللہ کی جائز کی ہوئی چیز سے روزہ رکھا، اور پھر اللہ کی ناجائز کی ہوئی چیز سے افطار کر لیا۔

متقیانہ زندگی کو دوسرے لفظوں میں محتاط زندگی کہہ سکتے ہیں۔ ایک انسان وہ ہے جو

احتیاط کے تصور سے خالی ہو۔ وہ بلا قید جو چاہے بولے اور جو چاہے کرے۔ دوسرا انسان وہ ہے جو احتیاط کے طریقہ کو اختیار کئے ہوئے ہو۔ وہ ایک محکم اصول کے تحت کسی روش کو اختیار کرے، اور کسی دوسری روش کو اختیار نہ کرے۔ یہی معاملہ متقی انسان کا ہے۔ متقی انسان مکمل طور پر ایک محتاط انسان ہوتا ہے۔ وہ اپنے قول وعمل کو خدا کی مرضی کے تابع کر دیتا ہے۔

روزہ آدمی کے اندر تقویٰ اور احتیاط کا یہی مزاج پیدا کرتا ہے۔ رمضان کی ماہانہ تربیت آدمی کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ پورے سال تک اس طرح زندگی گزارے کہ وہ مباحات کے لئے مُفطِر ہو، اور ممنوعات کے لئے وہ صائم بن جائے۔

روزہ کے دوران آدمی کا صرف کھانا پینا نہیں چھوٹتا۔ اس کو اپنی بہت سی عادتوں کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ وہ اپنی خواہشوں پر روک لگاتا ہے۔ اس طرح وہ اس بات کی تربیت حاصل کرتا ہے کہ وہ کچھ چیزوں سے اپنے آپ کو دور رکھے۔ وہ کچھ چیزوں سے بچ کر دنیا میں زندگی گزارے روزہ اس پرہیزگاری کی انتہائی تربیت ہے۔ روزہ رکھ کر آدمی یہ عہد کرتا ہے کہ ناجائز چیزیں تو درکنار، اگر اللہ کی مرضی ہو تو وہ جائز چیزوں کو بھی اللہ کی خاطر چھوڑ دینے کے لئے تیار ہے۔

رمضان کا مہینہ قمری کیلنڈر کا نواں مہینہ ہے۔ اس مہینہ کو اسلام میں روزہ کا مہینہ قرار دیا گیا ہے۔ رمضان کے مہینے کا روزہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک ہے۔ اور اس کی بہت فضیلت بتائی گئی ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے ہر نیک عمل کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک دیا جاتا ہے۔ مگر روزہ کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا انعام دوں گا۔ بندہ میرے لئے اپنی خواہش کو اور اپنے کھانے کو چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی افطار کے وقت، اور دوسری خوشی اس وقت جب کہ وہ اپنے رب سے ملے گا۔ اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ اچھی ہے۔ اور روزہ ڈھال ہے۔ جب تم میں سے کسی شخص کے روزہ کا دن ہو تو وہ نہ گالی دے اور نہ شور کرے۔ اور اگر کوئی آدمی اس کو گالی دے یا اس سے لڑائی کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ کہہ دے: میں تو روزہ دار ہوں۔

رمضان کے مہینہ کو ایک حدیث میں صبر کا مہینہ (شہر الصبر) کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ کا اتنا بڑا درجہ کیوں ہے کہ اس پر بے حساب اجر کی خوش خبری دی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ صبر کی عبادت ہے۔ روزہ صبر کا عمل ہے۔ روزہ میں کھانا اور پینا چھوڑ کر آدمی علامتی طور پر یہ عہد کرتا ہے کہ دنیا میں وہ صبر کا طریقہ اختیار کرے گا۔ وہ ہر حال میں اللہ کے حکموں پر عمل کرے گا، خواہ اس کے لئے اسے صبر و برداشت کے مرحلہ سے گزرنا پڑے۔

قرآن میں بتایا گیا ہے صبر کرنے والے بے حساب اجر پائیں گے (انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب، الزمر ۱۰) یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اعمال میں صبر کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ جس خدائی حکم کو انجام دینے کے لئے آدمی کو صبر کے مرحلہ سے گزرنا پڑے، وہ عمل اللہ کی نظر میں اتنا زیادہ محبوب ہو جاتا ہے کہ اس پر بے حساب انعام کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔

روزہ کی خاص اہمیت اسی اعتبار سے ہے۔ روزہ دراصل صبر کی تربیت ہے۔ روزہ کی عبادت آدمی کو اس بات کے لئے تیار کرتی ہے کہ وہ اپنی خواہش کو دبا کر اللہ کے حکم پر عمل کرے۔ وہ اپنی ضرورتوں کو روک کر اللہ کی راہ میں چلے۔ وہ اپنے ذاتی تقاضوں کو نظر انداز کر کے اللہ کے دین کے تقاضے پورے کرے۔ روزہ چوں کہ صبر جیسی عظیم عبادت کی تربیت ہے، اس لئے روزہ کا ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔

روزہ کے اسی خاص پہلو کی بنا پر حدیث میں فرمایا گیا کہ روزہ دار کو چاہئے کہ اگر کوئی آدمی اس کو برا کہے تو وہ خود بھی اس کو برا نہ کہنے لگے۔ بلکہ اس کے اندر یہ احساس جاگنا چاہئے کہ میں تو روزہ رکھے ہوئے ہوں۔ میں نے تو اپنے آپ کو صبر اور برداشت کے تربیتی کورس میں داخل کر رکھا ہے۔ ایسی حالت میں اگر میں بے برداشت ہو کر جوابی کارروائی کروں تو گویا کہ میں نے اپنا روزہ توڑ دیا، میں نے روزہ کے اصل مقصد کو باطل کر دیا۔

روزہ کا بلاشبہ بہت بڑا ثواب ہے۔ مگر یہ بڑا ثواب اس شخص کے لئے ہے جس کا روزہ صبر کا روزہ بن جائے۔ جو روزے سے یہ سبق لے کہ لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے سب مجھے ناخوشگوار باتوں کو برداشت کرنا ہے۔ لوگوں کے کڑوے بول کا جواب مجھے میٹھے بول سے دینا ہے۔

لوگوں کی طرف سے اشتعال انگیزی کے واقعات ہوں تب بھی مجھے اپنے آپ کو مشتعل ہونے سے بچانا ہے۔ لوگوں کی طرف سے پیش آنے والی زیادتیوں کو اللہ کے خانہ میں ڈالتے ہوئے مجھے ہر ایک کے ساتھ ہر حال میں اچھا سلوک کرنا ہے۔

خدا کے حکم کی ایک تعمیل وہ ہے جو معمول کے حالات میں کی جائے۔ اس کی دوسری تعمیل وہ ہے جو غیر معمولی حالات میں کی جائے۔ معمول کے حالات کے مقابلہ میں غیر معمولی حالات میں کیا ہوا عمل ہمیشہ زیادہ عظیم ہوتا ہے۔ صبر یہی عظیم عمل ہے، اور روزہ اسی عظیم عمل کے لئے ایک ماہانہ تربیتی کورس۔

گہرائی کے ساتھ دیکھا جائے تو خدا کا دین پورا کا پورا صبر کا دین ہے۔ پورا قرآن صبر کی کتاب ہے۔ اسلام کی تمام تعلیمات میں کسی نہ کسی اعتبار سے صبر کا پہلو شامل ہے۔

موجودہ دنیا میں اسلامی زندگی اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ غیر اسلامی زندگی کو چھوڑے گا اور اسلامی اصولوں پر اپنی زندگی کو چلائے گا۔ یہ دنیا امتحان کی دنیا ہے۔ اس لئے یہاں ہر معاملہ میں آدمی کے سامنے دو امکانات ہوتے ہیں۔ کوئی شخص جب دینی زندگی اختیار کرتا ہے تو وہ درحقیقت ایک روش کو چھوڑ کر دوسری روش کو اختیار کرتا ہے۔ یہ ایک کو چھوڑنا اور دوسرے کو پکڑنا صبر کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے ہر اسلامی عمل میں صبر کا پہلو لازمی طور پر شامل ہو جاتا ہے۔

اس دنیا میں آدمی کو شیطان کے راستہ سے ہٹ کر خدا کے راستہ پر چلنا ہے۔ اس کو نفس پرستی کی روش چھوڑ کر بے نفسی کی روش کو اختیار کرنا ہے۔ اس کو بے اصول زندگی کو ترک کر کے با اصول زندگی کو اپنانا ہے۔ اس کو بے قید طریقہ سے اپنے آپ کو بچانا ہے اور پابند طریقہ پر قائم رہ کر زندگی گزارنا ہے۔ لوگوں سے معاملہ کرنے میں اس کو حرام کی ہوئی چیزوں سے دور رہنا ہے اور صرف حلال دائرہ میں لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنا ہے۔

ایک کو چھوڑنے اور دوسرے کو پکڑنے کے اس عمل کے لئے صبر کی ضرورت ہے۔ روزہ کی اہمیت یہ ہے کہ وہ آدمی کے اندر یہی صبر والی صفت پیدا کرتا ہے۔

نوٹ: یہ تقریر ۷ فروری ۱۹۹۴ کو آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی سے نشر کی گئی۔

# عید الفطر

عید الفطر کا مطلب ہے افطار کی عید، کھانے پینے کی عید۔ اس کو عید الفطر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ رمضان کے مہینہ کے فوراً بعد آتی ہے۔ رمضان کا مہینہ کھانے پینے پر پابندی لگانے کا مہینہ ہے۔ اور عید الفطر کا دن ان پابندیوں سے آزاد ہونے کا دن ہے۔

روزہ اور عید کے درمیان اس ترتیب کا ایک پہلو یہ ہے کہ بندہ نے رمضان میں ایک مہینہ تک اللہ کے حکم کی تعمیل کی، تو اب اللہ نے اس کو قبول کرتے ہوئے اپنے انعام کے طور پر بندہ کو یہ موقع دیا کہ وہ پابندیوں سے آزاد ہو کر جو چاہے کھائے اور جو چاہے پئے۔ روزہ اگر اس کے لئے عمل کا مہینہ تھا تو عید الفطر اس کے لئے انعام کا دن ہے۔

دوسرے پہلو سے دیکھئے تو روزہ اور عید اس قانون فطرت کو بتا رہے ہیں جس کے مطابق موجودہ دنیا کا نظام بنایا گیا ہے۔ اس دنیا میں آسانی کے ساتھ مشقت جڑی ہوئی ہے۔ یہاں ہر کامیابی سے پہلے محنت کا ثبوت دینا پڑتا ہے۔ یہاں پہلے "بھوک" کو برداشت کرنا پڑتا ہے، اس کے بعد آدمی کے لئے کھانے اور پینے کا دسترخوان لگایا جاتا ہے۔

روزہ اور عید انھیں دونوں حقیقتوں کی علامت ہیں۔ روزہ پہلے مرحلہ کی علامت ہے، اور عید دوسرے مرحلہ کی علامت۔ روزہ اور عید کا یہ نظام انسان کو یہ سبق دے رہا ہے کہ اس دنیا میں اگر تم خوشی اور کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس سے پہلے محنت اور مشقت کی وادیوں سے گزرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

رمضان کے مہینہ کا آخری روزہ جب ختم ہوتا ہے تو نئے مہینہ کا چاند ہلال کی صورت میں آسمان کے اوپر دکھائی دیتا ہے۔ اس کو دیکھتے ہی خدا کے بندے یہ کہتے ہیں کہ اے خدا، اس چاند کو تو ہمارے لئے امن و امان کے ساتھ نکال، اس کو تو ہمارے لئے سلامتی اور اسلام کا چاند بنا دے۔

یہ اس بات کا سبق ہے کہ عید کا مہینہ امن و سلامتی کا مہینہ ہے۔ اس دن خدا کے بندوں کو یہ عہد کرنا ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان ان کے خیر خواہ بن کر رہیں گے۔ وہ امن والے بول بولیں گے

اور سلامتی والے عمل کریں گے۔

عید کے دن تمام چھوٹے اور بڑے اپنے گھروں سے "اللہ بڑا ہے، اللہ بڑا ہے" کہتے ہوئے نکلتے ہیں۔ پھر وہ ایک جگہ جمع ہو کر دو رکعت اجتماعی نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ اس بات کا عہد ہے کہ وہ بڑائی کا درجہ صرف خدا کو دیں گے۔ اور خود اپنے لئے تواضع کی روش کو پسند کریں گے۔ وہ سرکشی کا طریقہ چھوڑ دیں گے، اللہ کے مقابلہ میں بھی اور بندوں کے مقابلہ میں بھی۔

عید کی نماز سے واپسی کے بعد لوگ آپس میں ملتے ہیں۔ ایک دوسرے کو تحفہ دیتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو کھلاتے پلاتے ہیں۔ یہ بھی ایک علامتی عمل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو اسی طرح پورا سال گزارنا ہے۔ انھیں علاحدگی پسندی کا طریقہ چھوڑ دینا ہے اور سب کے ساتھ مل جل کر زندگی گزارنا ہے۔ کسی آدمی کو دوسروں کے لئے بوجھ نہیں بننا ہے۔ ہر آدمی کو یہ کوشش کرنا ہے کہ وہ دوسروں کو دے۔ آدمی کو اس دنیا میں دینے والا بن کر رہنا ہے نہ کہ دوسروں سے لینے والا بن کر۔

عید کے دن یہ کام اس انتظار کے بغیر کیا جاتا ہے کہ دوسرا ہم سے ملنے کے لئے آئے تب ہم اس سے ملیں، یا دوسرا ہم کو تحفہ دے تو اس کے بعد ہم اسے تحفہ دیں۔ عید کے دن یہ سارے کام یکطرفہ جذبہ کے تحت کئے جاتے ہیں نہ کہ دو طرفہ جذبہ کے تحت۔

اس میں یہ سبق ہے کہ اس دنیا میں وہی شخص انسانیت اور اخلاق کے ساتھ زندگی گزار سکتا ہے جو یک طرفہ طور پر انسانیت اور اخلاق کا اصول اختیار کرنے پر راضی ہو جائے۔ اس دنیا میں آدمی کو دوسروں سے تعلق پیدا کرنا ہے، خواہ دوسرے اس کے ساتھ تعلق نہ پیدا کر رہے ہوں۔ یہاں آدمی کو اپنے پڑوسی سے محبت کرنا ہے، خواہ اس کا پڑوسی اس کے ساتھ محبت کا اظہار نہ کر رہا ہو۔ اس دنیا میں آدمی کو دوسرے انسانوں کو دوست بنانا ہے، خواہ دوسرے انسان اس کے ساتھ دوستی کا معاملہ کرنے پر راضی نہ ہوں۔ اس دنیا میں آدمی کو دوسرے انسانوں کے لئے نفع بخش بننا ہے خواہ دوسرے انسانوں سے اس کو نفع بخشی کا تجربہ نہ ہو رہا ہو۔

روزہ اور عید سال میں ایک بار آتے ہیں، مگر وہ پورے سال کے لئے ہماری زندگی کا کورس متعین کرتے ہیں۔ روزہ اور عید علامتی طور پر خدا کے بندوں کو یہ بتاتے ہیں کہ خدا

کی زمین پر انھیں کس طرح رہنا چاہئے۔ روزہ اگر آغاز حیات کی علامت ہے تو عید انجام حیات کی علامت۔

روزہ رکھنے کے بعد لوگ عید کے انعام کے مستحق بنتے ہیں۔ اسی طرح انھیں چاہئے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں تاکہ اس کے بعد وہ اپنے حقوق کو پاسکیں۔ ان کو چاہئے کہ وہ پابندیوں کو نبھائیں تاکہ وہ انعامات کے مستحق ٹھہریں۔ ان کو چاہئے کہ وہ دوسروں کے خیر خواہ بنیں تاکہ دوسرے بھی ان کے ساتھ خیر خواہی کریں۔ ان کو چاہئے کہ وہ سماج میں دینے والے بن کر رہیں تاکہ انھیں بھی سماج میں عزت کا مقام مل سکے۔ ان کو چاہئے کہ وہ اپنے پڑوسیوں اور اپنے انسانی بھائیوں کے ساتھ یکطرفہ طور پر اچھا سلوک کریں۔ کیوں کہ جو لوگ اس طرح اچھا سلوک کریں۔ ان کے لئے ان کا دشمن بھی ان کا دوست بن جاتا ہے۔

روزہ اور عید کے درمیان ایک اور گہرا فرق پایا جاتا ہے۔ روزہ گویا نہ کرنے کا مہینہ ہے اور عید اس کے مقابلہ میں کرنے کا دن۔ روزہ گویا رکنے کا مہینہ ہے اور عید اس کے مقابلہ میں چلنے کا دن۔ روزہ گویا چپ رہنے کا مہینہ ہے اور عید اس کے مقابلہ میں بولنے کا دن۔ روزہ گویا ٹھہرنے کا مہینہ ہے اور عید اس کے مقابلہ میں اقدام کا دن۔

اس فرق میں یہ سبق ہے کہ زندگی میں دونوں ہی قسم کی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ زندگی میں کبھی کرنا ہوتا ہے اور کبھی نہ کرنا۔ کبھی چلنا ہوتا ہے اور کبھی ٹھہر جانا۔ کبھی بولنا ضروری ہوتا ہے اور کبھی چپ ہو جانا۔ کبھی اقدام کرنا ہوتا ہے اور کبھی پیچھے رک جانا۔

روزہ اور عید دونوں ایک اعتبار سے عبادت ہیں اور دوسرے اعتبار سے تربیت۔ روزہ اور عید میں ایک طرف خدا کو راضی کرنے کے پہلو موجود ہیں۔ اور دوسری طرف ان کا عملی نقشہ اس طرح بنایا گیا ہے کہ وہ وسیع تر زندگی کے لئے تربیت کا کورس بن جائیں۔ وہ علامتی طور پر پورے سال کے لئے رہنمائے حیات کا کام دیں۔

---

نوٹ: یہ تقریر ۲۵ مارچ ۱۹۹۳ کو آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی سے نشر کی گئی۔

# نادر چیز

ٹامس کارلائل (Thomas Carlyle) نے کہا ہے کہ ایک اچھی لکھی ہوئی سوانح حیات اتنی ہی نادر ہے جتنا کہ ایک اچھی گزاری ہوئی زندگی :

A well-written life is almost as rare as a well-spent life.

یہ ایک حقیقت ہے کہ اس دنیا میں نہ ایک معیاری زندگی گزارنا ممکن ہے اور نہ ایک معیاری سوانح حیات لکھنا۔ موجودہ محدود دنیا کے حالات اس میں مانع ہیں کہ کوئی شخص معیاری زندگی گزار سکے۔ اسی طرح موجودہ زبانوں کی وسعت اس سے بہت کم ہے کہ کوئی شخص معیاری انداز پر ایک سوانح حیات مرتب کر سکے۔

میرا اپنا تجربہ یہ ہے کہ میں نے اپنی سوانح حیات لکھنے کی کوشش کی۔ مگر بار بار لکھنا شروع کیا اور بار بار قلم رک گیا۔ جب بھی میں نے اس کا کوئی باب یا اس کا کوئی صفحہ لکھا تو آخر میں مجھے محسوس ہوا کہ اصل بات تو اس میں لکھنے سے رہ گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے الفاظ کسی واقعہ کو بیان کرنے کے لئے انتہائی حد تک ناکافی ہیں۔ وہ اتنے ناکافی ہیں کہ آدمی خود اپنے حالات زندگی بھی نہیں لکھ سکتا۔ وہ دوسروں کے بارہ میں کیا لکھے گا۔ یہ انسانی محدودیت کا بڑا عجیب ثبوت ہے۔

بعض لوگ ایک کتاب لکھتے ہیں اور اس پر ناز کرتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں ایک قابل ذکر اور قابل قدر کارنامہ انجام دیا۔ وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ :

شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

مگر اس قسم کا ناز صرف اس بات کا ثبوت ہے کہ کام کرنا تو درکنار، ابھی تک آدمی یہ بھی نہ جان سکا کہ کام ہے کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں سب سے بڑا کام یہ ہے کہ آدمی اپنے عجز کو جان لے۔ اور یہی وہ کام ہے جس کو کرنا کوئی شخص نہیں جانتا۔

بر خود غلط آدمی اپنے کمال کو جانتا ہے۔ مگر صاحب معرفت اپنے عجز کو جانتا ہے۔ کیوں کہ آدمی کے پاس عجز کے سوا کوئی اور سرمایہ نہیں۔

# حکمت دین

ایک صاحب نے اپنے حج کا سفرنامہ لکھا ہے۔ انھوں نے ۱۸ بار حج کیا ہے اور اسی کے ساتھ وہ ایک عالم بھی ہیں۔ سوال کرنے والے کا سوال یہ تھا: "یہ ایک عجیب بات ہے کہ حجر اسود جو محض ایک پتھر ہے اس کو تو لوگ چومنے کے لیے ایک دوسرے پر گرتے ہیں۔ اور جمرات بھی پتھر ہی کی شکل میں نصب ہیں مگر لوگ ان کو پتھر مارنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ دھکم پیل کرتے ہیں۔ یہ کیا ماجرا ہے کہ ایک پتھر کو تو لوگ عقیدت سے چومتے ہیں، جب کہ دوسرے پتھر پر وہ پتھراؤ کرتے ہیں"۔

مذکورہ صاحب نے جواب دیا کہ اسلام اطاعت اور فرماں برداری کا نام ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کرنے کے لیے عقل اور دلیل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ بلکہ صرف تسلیم و رضا کے جذبہ کے ساتھ اس پر عمل کرنا چاہیے۔ (البلاغ، جولائی ۱۹۹۳)

یہ جواب درست نہیں۔ اسلام بلاشبہ تعمیل حکم کا نام ہے۔ مگر اسی کے ساتھ یہ بھی صحیح ہے کہ جس چیز کا حکم اسلام میں دیا گیا ہے وہ سراپا حکمت پر مبنی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاہ ولی اللہ دہلوی کو حجۃ اللہ البالغہ جیسی کتاب لکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

اصل یہ ہے کہ یہ حجر میں فرق کا معاملہ نہیں ہے بلکہ حقیقتِ حجر میں فرق کا معاملہ ہے۔ نہ محض پتھر کی وجہ سے ایک کا احترام ہے اور نہ محض پتھر کی وجہ سے دوسرے کی بے احترامی۔ اصل یہ ہے کہ دونوں پتھر الگ الگ چیزوں کی علامت ہیں۔ حجر اسود ابراہیم خلیل اللہ کی علامت ہے اس لیے وہ قابلِ احترام ہے۔ اور جمرات شیطان لعین کی علامت ہے اس لیے وہ سنگ باری کا مستحق ہے۔ حجر اسود کو چومنا سنت ابراہیمی سے عقیدت کا اظہار ہے اور جمرات کو پتھر مارنا عمل شیطانی کے ساتھ نفرت کا اظہار۔

ایک فوج اپنے ملک کے جھنڈے کا احترام کرتی ہے، مگر وہ دشمن ملک کے جھنڈے کو پیروں تلے روندتی ہے۔ حالانکہ دونوں ہی کپڑا ہیں۔ دونوں میں یہ فرق اس لیے ہے کہ ایک جھنڈا وطن دوستی کی علامت ہے اور دوسرا جھنڈا وطن دشمنی کی علامت۔

کو بھی استعمال نہیں کر سکیں گے۔

میرے سائق (السید محمد البدوائی) تعلیم یافتہ اور نہایت مہذب ہیں۔ وہ بار بار کہتے تھے کہ میں ہر وقت یہاں آپ کے لئے سیارہ لے کر موجود رہتا ہوں۔ مگر آپ اس کو استعمال نہیں کرتے۔ آج ان کے اصرار پر ہوٹل سے نکلا اور شہر رباط دیکھنے کے لئے گیا۔ شہر نہایت خوبصورت نظر آیا۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ بے شمار گاڑیوں کے باوجود پلیوشن بہت کم تھا۔

انھوں نے مختلف چیزیں دکھائیں۔ مثلاً تقلیدی صنعت کے مراکز، وزارتی دفاتر، القصر الملکی وغیرہ۔ ہر جگہ بورڈ عربی اور فرنچ میں مشترک طور پر نظر آیا۔ پورے شہر میں صرف ایک فقیر دکھائی دیا۔ سمندر کے ساحل سے گزرتے ہوئے ایک مقام پر روشنی کا مینار (light house) بنا ہوا تھا۔ اس کو دیکھ کر قدیم دور کی جہاز رانی کا منظر سامنے آگیا۔

یہاں کے قدیم متحف کو دیکھا۔ اس میں قدیم بادشاہوں نیز عام انسانوں کے آثار تھے۔ ایک جگہ شیشہ کے کیس کے اندر ایک قدیم انسان کا ڈھانچہ رکھا ہوا تھا جو کسی مقام پر ملا ہے۔ وہ ٹوٹی پھوٹی ہڈیوں کی صورت میں تھا۔ میں اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ ایک روز آئے گا جبکہ میرا جسم بھی اسی طرح ہڈیوں کا ایک وحشت خیز ڈھانچہ بن چکا ہو گا۔ پھر وہ مجھ کو "ضریح محمد حسن ثانی" دکھانے کے لئے لے گئے۔ یہاں غیر معمولی اہتمام کیا گیا تھا۔ خاص قبر مکمل طور پر سفید سنگ مرمر کی ہے۔ دیواروں پر سونے کے کام ہیں۔ چاروں طرف غیر معمولی اہتمام ہے۔

تاج محل کو دیکھ کر کسی یوروپین خاتون نے کہا تھا کہ اگر میری قبر پر اس قسم کا تاج محل بنایا جائے تو میں ابھی مرنے کے لئے تیار ہوں۔ اسی طرح بادشاہوں کے عظیم الشان مقبروں کو دیکھ کر بہت سے لوگ حرص کرتے ہیں کہ کاش ہمارا بھی ایسا ہی شاندار مقبرہ ہوتا۔ مگر میرا حال یہ ہے کہ میں مٹی کی قبر اور سنگ مرمر کے تاج محل میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ اصل اہمیت مرنے کے بعد والے اخروی انجام کی ہے نہ کہ مرنے کے بعد دنیا میں بننے والے ڈھانچہ کی۔

ہوٹل یہاں کے اہم ترین علاقہ میں واقع ہے۔ اس کے چاروں طرف بہت بڑے بڑے پارک ہیں۔ میں ایک پارک میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے اندر سے ایک سڑک گزرتی ہے۔ چنانچہ گھوڑوں کا ایک دستہ گزرا۔ تمام گھوڑے نہایت تندرست تھے۔ اور نہایت شان کے ساتھ چل رہے

تھے۔ ان کو دیکھ کر مجھے یاد آیا کہ قدیم زمانہ میں ہزاروں سال تک تاریخ کا سفر گھوڑوں ہی پ
ہوا ہے۔ گھوڑوں نے تاریخ انسانی کو ابتدائی حرکت دی ہے۔ میں گھوڑے کو دیکھتا ہوں ت
مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کہ مشینی سواریوں کے ظہور میں آنے سے پہلے خدا نے زندہ سوار
کے لئے انسان کو گھوڑا دے دیا۔ اللہ تعالی کا یہ عظیم احسان ہے۔ اس کے بغیر انسانی تاریخ کا س
ہی شاید رک جاتا۔

آج ایک واقعہ گزرا۔ اس کے بعد میری سمجھ میں آیا کہ غماً بغم لکیلا تأسوا علی م
فاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم کا مطلب یہ ہے کہ غم پر غم ڈال کر آزمائش کی گئی کہ کیا تمہارے اندر
صفت پائی جاتی ہے کہ فوت ہونے پر تمہارے اندر یاس نہ پیدا ہو اور یافت پر تمہارے اند
فرحت نہ پیدا ہو۔

۱۶ فروری کو یہاں کے ریڈیو کے نمائندہ عبد الرحیم برقیہ آئے اور الاسلام یتحدی کے مباح
پر انٹرویو لیا۔ ان کے چار خاص سوال تھے۔

۱۔ نیچرل لا کی بنیاد پر جدید ملحدین کا جو استدلال ہے اس کو آپ کیوں بے بنیاد سمجھتے
کیا یہ ملحدانہ استدلال اب بھی کوئی علمی اہمیت رکھتا ہے۔

۲۔ لاشعور کے نظریہ کے تحت کہا جاتا ہے کہ دینی عقائد محض ذہنی اختلال کا نتیجہ ہیں، اس
دعویٰ کا علمی رد آپ کے نزدیک کیا ہے۔

۳۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ آفات جن کے مقابلہ میں انسان بے بس ہے، ان کو دیکھ کر
انسان کے اندر جو خوف کی نفسیات پیدا ہوئی، اس نے خدا کا عقیدہ پیدا کیا۔

۴۔ آپ نے لکھا ہے کہ اس بحث میں سب سے اہم مسئلہ طریق استدلال کا مسئل
ہے۔ آپ کیوں سمجھتے ہیں کہ استدلال کا طریقہ اب پوری طرح دین کے حق میں ہے۔

ان سوالات کے جوابات میں نے اپنی ہندستانی عربی میں دئے۔ تاہم اس کو انھوں نے
سمجھا اور خوش ہوئے۔ اگر ممکن ہوا تو انشاء اللہ ان جوابات کو مزید مفصل کر کے الرسالہ میں
سوال وجواب کی صورت میں چھاپ دیا جائے گا۔

۱۶ فروری کو الدروس الحسنیہ کا آغاز ہوا۔ مختلف ملکوں سے آئے ہوئے شرکا اجتماعی طور پر

القصرالملکی میں لے جائے گئے۔ وہاں فرداً فرداً ہر ایک سے الملک الحسن الثانی نے ملاقات کی۔ میں نے ملاقات کے وقت اپنی عربی کتابوں کا سٹ انھیں پیش کیا۔ میں اپنے ساتھ دہلی سے کوئی کتاب نہیں لایا تھا۔ یہ سب تیونس سے آنے والے ایک نوجوان نے مجھے دیا۔ وہ مجھ سے ملنے کے لئے رباط آئے تھے۔ اور اپنے ساتھ یہ کتابیں بھی لے آئے۔

۱۶ فروری (۵ رمضان ۱۴۱۴ھ) کا درس الاستاذ عبدالکبیر العلوی المدغری (وزیر الاوقاف والشئون الاسلامیہ) نے دیا۔ موضوع علم الناسخ والمنسوخ تھا۔ انھوں نے کہا کہ علماء نے پانچ سو سے بھی زیادہ منسوخات بتائے ہیں۔ اس کو مانا جائے تو قرآن کا معظم حصہ منسوخ قرار پاتا ہے۔ یہ ناقابل فہم ہے۔ مفسرین عام طور پر قتال کی آیت کو صبر واعراض اور عفو وصفح کی آیتوں کے لئے ناسخ مانتے ہیں۔ حالاں کہ صبر واعراض اور عفو وصفح دین کی اہم ترین تعلیمات ہیں۔ نسخ کے معاملہ میں یہی نقطہ نظر صحیح ہے۔ چنانچہ الزرکشی نے البرہان فی علوم القرآن میں نسخ کی بابت لکھا ہے کہ ھو تبدیل الحکم لِتَبدُّلِ المصلحۃ العملیۃ۔ یعنی نسخ حقیقۃً عملی مصالح کے بدلنے کی بنا پر (وقتی طور پر) حکم میں تبدیلی کا نام ہے۔

ہوٹل کے نیچے ہال میں آنے والے کئی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے پاس کی نشست پر زیادہ عمر کے ایک شیخ تھے جو لبنان سے آئے تھے۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہند سے۔ انھوں نے پوچھا کہ ہند میں مسلمانوں کا حال کیسا ہے (کیف احوال المسلمین فی الھند) میں نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ انھوں نے دوبارہ کہا: مصائب، مش مصیبۃ واحدۃ۔ یعنی ہندستان کے مسلمان کسی ایک مصیبت میں نہیں بلکہ بہت سی مصیبتوں میں مبتلا ہیں۔
ہندستان کے بارہ میں زرد صحافت اور زرد قیادت کے پروپگنڈے کے نتیجہ میں لوگوں کو یہ بات تو معلوم ہے کہ بابری مسجد کو ہندوؤں نے ڈھادیا۔ مگر یہ بات انھیں سرے سے معلوم نہیں کہ خود نا اہل مسلم رہنماؤں نے نہایت غلط سیاست چلا کر اس معاملہ کو بگاڑا۔ اسی طرح لوگوں کو یہ بات بھی معلوم نہیں کہ ہندستانی مسلمانوں کے خود ساختہ نمائندہ بن کر جو لوگ مسلمانوں کی تباہی کا چرچا کر رہے ہیں وہ خود اسی ہندستان میں اپنے پورے خاندان سمیت نہایت شاندار زندگی گزار رہے ہیں۔ باریش رہنما بھی اور بے ریش رہنما بھی۔

یہاں معلوم ہوا کہ ایک عرب نوجوان روس (ماسکو) میں فضائی دفاع کے موضوع پر ریسرچ کر رہے ہیں۔ وہ الرسالہ مشن سے کافی متاثر ہیں۔ انھوں نے طے کیا ہے کہ اس مشن کی تمام انگریزی کتابوں کو روسی زبان میں چھپوائیں۔ ان کی کوشش سے ایک تعلیم یافتہ روسی نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس روسی نومسلم کی مدد سے وہ اسلامی مرکز کی کتابوں کا روسی زبان میں ترجمہ کروا رہے ہیں۔ اب تک انھوں نے سترہ کتابوں کا روسی ترجمہ تیار کر لیا ہے۔

بنگلہ دیش کے ایک تعلیم یافتہ مسلمان جو عرب میں رہتے ہیں۔ وہ "انسان اپنے آپ کو پہچان" کا ترجمہ بنگالی زبان میں کر کے چھپوا رہے ہیں۔ یہ کام انھوں نے بنگلہ دیش کے ایک اور مسلمان کے ساتھ مل کر کیا ہے۔ ایک صاحب نے ترجمہ کیا ہے، دوسرے نے طباعت کے سلسلہ میں مالیاتی مدد کی ہے۔

ایک صاحب نے ایک عربی مثل بتائی: اذا اردتَ ان تَنجح کل وَوَکِّل۔ اس مثل میں وَکِّل کا لفظ فصیح عربی نہیں ہے بلکہ دارجہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم کامیاب ہونا چاہتے ہو تو خود کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ یعنی لا تأكل وحدك

۷ فروری کو درس کا موضوع تھا: مهمات من قواعد الاسلام۔ آج الاستاذ محمد الحبیب بلخوجۃ نے درس دیا۔ انھوں نے اپنے درس کی بنیاد اس حدیث پر رکھی:

الطهور شطر الايمان والحمد لله تملأ الميزان وسبحان الله والحمد لله تملأ مابين السماوات والارض والصلاة نور والصدقة برهان والصبر ضياء والقرآن حجة لك او عليك كل الناس يغدو فبائع نفسه فمعتقها او موبقها

یہ حدیث جس کو امام مسلم نے کتاب الطہارت (باب فضل الوضوء) میں نقل کیا ہے، اس میں صبر کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ وہ اہل ایمان کے لئے روشنی ہے۔ گویا کہ صبر ایک انتہائی اعلیٰ درجہ کا مثبت رویہ ہے جو آنکھ کھولنے والا اور راستہ کو صاف کرنے والا ہے۔ ایسی حالت میں یہ بات کتنی زیادہ غلط ہوگی کہ صبر کو ایک سلبی رویہ یا مجبورانہ خاموشی کے ہم معنی سمجھ لیا جائے۔

آج درس سے پہلے وزارۃ الاوقاف کے ہال میں مختلف ملکوں سے آئے ہوئے علماء جمع ہوئے۔ اور کل کے درس پر مناقشہ ہوا۔ سب سے پہلے کل کی تقریر اور مجلس کا پورا ٹیپ وی سی آر پہ دکھایا

گیا تاکہ اصل بحث لوگوں کے ذہن میں تازہ ہو جائے۔ جو واقعہ میں نے کل دیکھا اور سنا تھا، آج ٹھیک اسی طرح اس کو مشینی سطح پر دہرایا جا رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر مجھے قرآن کی آیت وھو یبدئ ویعید یاد آئی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے اس آیت میں جو بات کہی گئی ہے وہ عملی مشاہدہ بن کر آنکھوں کے سامنے آگئی ہے۔

ایک صاحب نے کہا کہ نسخ کی چار قسمیں ہیں: نسخ التلاوۃ والحکم، نسخ التلاوۃ وبقاء الحکم، نسخ الحکم وبقاء التلاوۃ، نسخ الکتاب بالسنۃ ونسخ السنۃ بالکتاب۔ ایک صاحب نے کہا کہ قرآن میں تقریباً ۲۰ نسخ ثابت ہوتے ہیں مگر افسوس ہے کہ علماء نے اس میں وسعت دی اور اس کی تعداد کو پانچ سو تک پہنچا دیا۔ ان العلماء مع الاسف الشدید، توسعوا فی الناسخ والمنسوخ) کسی نے کہا نسخ صرف فرع میں ہے، اصل میں نہیں۔ اسی لئے نسخ کی آیتیں مدینہ میں اتریں، مکہ میں نسخ کی آیتیں نہیں اتریں۔ ایک صاحب نے کہا کہ قرآن اترنے کے بعد اور رسول اللہ کی وفات کے بعد اب کسی کو حق نہیں کہ وہ کسی حکم کو ناسخ یا منسوخ قرار دے۔ وغیرہ

میں نے کہا کہ نسخ کے معاملہ کو محض کچھ آیتوں یا حدیثوں کا مسئلہ سمجھنا درست نہیں۔ نسخ ایک اصول (مبدأ) ہے نہ کہ محض کچھ آیتوں کی تفسیر کا مسئلہ۔ اگر آپ نسخ کو صرف کچھ آیتوں سے جوڑ دیں تو وہ انھیں آیتوں تک محدود ہو کر رہ جائے گا۔ مگر اس کو اصول شریعت ماننے کی صورت میں وہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ یہ دراصل عملی حالات کی رعایت کا مسئلہ ہے اور اس اعتبار سے وہ ایک حکیمانہ اصول کے طور پر ہمیشہ باقی رہے گا۔ مذکورہ آیتوں کی حیثیت اس معاملہ میں علامتی نمونہ کی ہے۔ یہ آیتیں برائے توضیح ہیں نہ کہ برائے تعیین۔

اس سفر میں حسب معمول میں اپنے ساتھ کوئی کتاب یا الرسالہ کا کوئی شمارہ نہیں لے گیا تھا۔ رباط پہنچا اور وہاں آنے والے علماء سے ملاقاتیں ہوئیں تو معلوم ہوا کہ اکثر لوگ الاسلام یتحدی کا مطالعہ کئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اکثر لوگوں نے مزید عربی کتابوں کا مطالبہ کیا۔ اتفاق سے ایک نوجوان (سید صالح الشوکات)، قاہرہ سے آگئے تھے۔ وہ میری آمد کی خبر سن کر مجھ سے ملنے کے لئے آئے تھے کیوں کہ یہاں کے نظام کے مطابق الدروس الحسنیہ کا پروگرام ہر روز ساتھ ساتھ ٹی وی پر نشر کیا

جاتا ہے جو پوری عرب دنیا میں دیکھا جاتا ہے۔ وہ عربی کتابوں کا ایک بنڈل بھی اپنے ساتھ لائے تھے جو قاہرہ سے چھپی ہیں۔ یہ کتابیں یہاں کے بہت سے لوگوں کو دی گئیں۔ چند نام یہ ہیں: الملک المغربی الحسن الثانی، الاستاذ عبد الکبیر العلوی المدغری (وزیر الاوقاف والشئون الاسلامیہ) محمد الکبیر العلوی (مدیر وزارۃ الاوقاف)، دکتور ابراھیم السید الرفاعی (چیرمین ڈپارٹمنٹ آف جیالوجی، کویت یونیورسٹی)، الشیخ طٰہٰ الولی (لبنان)، دکتور محمد یعقوبی خبیزہ (فاس، المغرب) دکتور عبد الرحیم برقیہ (رباط)، عبد السلام ادمی (ٹوگو)، الحاج عبد اللہ المشری (موریتانیہ)، دکتور محمد السلیمانی (الجزائر) وغیرہ

۱۸ فروری کو الاستاذ احمد الغازی الحسینی (استاذ کرسی التوحید بجامع القرویین بفاس) کا درس تھا۔ اس کا عنوان تھا: مجامع مکارم الاخلاق۔ اپنے درس کے لئے انھوں نے اس آیت کو منتخب کیا: خذ العفو وأمر بالعرف واعرض عن الجاهلين. وامّا ينزغنك من الشيطٰن نزغ فاستعذ بالله انه سميع عليم (الاعراف ۲۰۰)

درس زیادہ تر نحوی اور فنی انداز میں تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس آیت میں اہم نکتہ یہ ہے کہ عفو اور اعراض کا حکم دیتے ہوئے یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر تمہارے دل میں شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو تم اس کے بارہ میں اللہ سے پناہ مانگو۔ اس سیاق میں شیطانی وسوسہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کوئی ایسا فعل کرتا ہے جس کے بارہ میں اللہ نے عفو اور اعراض کا حکم دیا ہے اور اس وقت تمہارے دل میں انتقامی جذبہ آجاتا ہے یا وقار کا سوال تم کو اس سے روکنے کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے تو اس قسم کے جذبات و احساسات کو تم شیطانی وسوسہ سمجھو۔ تم کو چاہئے کہ غصہ اور انتقام کے جذبہ کو دباؤ اور وقار کے سوال کو اس طرح کے سلوک میں رکاوٹ نہ بننے دو۔ انسانی زیادتی کو اللہ کے خانہ میں ڈالتے ہوئے ہر حال میں عفو اور اعراض کے مسلک پر قائم رہو۔

۱۸ فروری کو جمعہ کا دن تھا۔ دروس حسنیہ کے شرکا کاروں پر رباط سے الدار البیضاء لے جائے گئے۔ یہ سو کلو میٹر کا راستہ تھا جو ڈیڑھ گھنٹہ میں طے ہوا۔ میں نے سنا اور پڑھا تھا کہ الدار البیضاء کی مسجد حسن ثانی حرمین کے بعد دنیا کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ واقعۃً وہ ایسی ہی نظر آئی۔ بہت بڑی اور بہت خوبصورت انداز میں بنائی گئی ہے۔ سمندر اٹلانٹک کے عین کنارے ہونے کی وجہ سے

اس کی خوبصورتی میں اور اضافہ ہوگیا ہے۔

نمازیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ صف کے آگے مسلسل جوتوں کی قطار نظر آئی۔ لوگ زور زور سے قرآن پڑھ رہے تھے اس لئے مسجد کے اندر آواز کافی گونج رہی تھی۔ نمازیوں کو قرآن برائے تلاوت تقسیم کیا جا رہا تھا۔ مجھ کو بھی ایک مجلد قرآن دیا گیا۔ اس کو کھولا تو اندازہ ہوا کہ اس کے انداز تحریر کی وجہ سے اس کو پڑھنا مشکل ہو رہا ہے۔ آخر میں دیکھا تو " وفقاً للخط العثمانی" لکھا ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ یہاں کے لوگ اس کے عادی ہوں مگر عام مسلمانوں کے لئے اس کے ذریعہ تلاوت کرنا آسان نہیں۔

مغربی لہجہ میں لاؤڈ اسپیکر پر قرآن پڑھا جا رہا تھا۔ یہ بھی ہم لوگوں کے لہجہ سے بہت مختلف تھا اس پر غور کرتے ہوئے سمجھ میں آیا کہ لہجوں کا فرق کیوں واقع ہوتا ہے۔ قرآن ابتداءً قریش کے لہجہ پر اترا۔ اس کے بعد وہ پھیلا یہاں تک کہ دور دور کے علاقوں میں پہنچ گیا۔ یہ لوگ اپنے اپنے لہجہ میں اپنی زبان بولتے تھے۔ اب انھوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد جب قرآن پڑھا تو اس کو انھوں نے اپنے لہجہ میں پڑھا۔ ہر ایک اپنے مقامی لہجہ میں قرآن کے عربی الفاظ دہرانے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف مسلم قوموں کا مکتوب قرآن اگرچہ ایک ہے۔ مگر اس کو پڑھنے کے لئے ہر ایک کا لہجہ الگ الگ ہوگیا ہے۔

مسجد الحسن الثانی (الدار البیضاء) کے تعارف کے لئے جو باتصویر کتاب چھاپی گئی ہے، اس کے آغاز میں یہ آیت درج ہے: وکان عرشہ علی الماء (ہود ۷) اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عظیم مسجد پانی کے اوپر بنائی گئی ہے۔ یعنی سمندر (اٹلانٹک) کے ساحل پر ہے اور پانی کو پاٹ کر اور اس کے اوپر ستون قائم کرکے اس کو تعمیر کیا گیا ہے۔ الملک الحسن الثانی، جن کو صوفی بادشاہ کہا جاتا ہے انھوں نے ۸ جولائی ۱۹۸۸ کو مسجد کی تعمیر کا اعلان کرتے ہوئے اس کی مصلحت ان الفاظ میں بیان کی تھی: أردتُ أن أبنی ھذا المسجد علی الماء (وکان عرشہ علی الماء) کما اردتُ ان یکون المصلّی فیہ والداعی والذاکر والشاکر والراکع والساجد محمولا علی الارض ولکن اینما نظر یجد سماء ربہ وبحر ربہ۔

۱۸ فروری کو افطار کا انتظام ایک وزیر کی رہائش گاہ پر تھا۔ جس ہوٹل میں ہم لوگوں کا قیام ہے وہ ایک امریکی ہوٹل ہے۔ وہاں کھانے کا انتظام زیادہ تر مغربی انداز کا ہے۔ وزیر صاحب کا معاملہ

اس سے مختلف تھا۔ وہاں وہ انداز تھا جو عرب رؤساء کے یہاں رمضان کی دعوت میں اختیار کیا جاتا ہے۔ پہلے انواع واقسام کی چیزوں کے ساتھ افطار کرایا گیا۔ پھر مغرب کی نماز ہوئی۔ اس کے بعد تمام لوگ ایک بڑے کمرہ میں جمع ہوگئے۔ یہاں دیر تک قرآن کی قرأت کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ نماز کا وقت ہوگیا اور عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی گئی۔ اس کے بعد تمام لوگ کھانے کے کمرہ میں آئے۔ جہاں دوبارہ قسم قسم کے کھانوں سے میز بھرا ہوا تھا۔ اس طرح ایک کے بعد ایک کھانے پینے کا دور جاری رہا۔ یہ سلسلہ سوا چھ بجے افطار سے شروع ہوا تھا۔ جب ہم لوگ واپس لوٹے تو گھڑی میں ساڑھے آٹھ بج چکے تھے۔

لوگ خوش ہو کر کھا رہے تھے مگر میں غم سے نڈھال ہو رہا تھا۔ مجھے اس قسم کی دعوتوں سے کوئی رغبت نہیں۔ وہ چیز جس کو پر تکلف دعوت کہا جاتا ہے وہ میرے لئے صرف پر تکلیف دعوت ہے۔ مجھے سادہ اور مختصر کھانا پسند ہے۔ مگر موجودہ زمانہ میں بہت کم لوگ ہیں جو اس قسم کی دعوت کریں، اور اس سے بھی کم وہ لوگ ہیں جو اس قسم کی دعوت کو دل سے پسند کریں۔

ٹوکیو سے جاپان مسلم ایسوسی ایشن کے نمائندہ عبد السلام اریمی آئے تھے۔ وہ ایک نومسلم نوجوان ہیں۔ انھوں نے اپنا قدیم نام جیرو اریمی (Jiro Arimi) بتایا۔ ان سے معلوم ہوا کہ جاپان کے مسلمان انوکھے قسم کے مسائل سے دوچار ہیں جن سے ہم لوگ اپنے ملک میں واقف نہیں۔ مثلاً تدفین کا مسئلہ۔ قبر کی معروف تدفین جاپان میں غیر قانونی ہے۔ تدفین کے لئے لاش کو مخصوص قسم کے تابوت میں بند کرنا ضروری ہے جو بہت مہنگا ہوتا ہے۔ اس کام کو بھی کوئی رجسٹرڈ ادارہ ہی کر سکتا ہے۔ ابھی تک ان کے پاس کوئی باقاعدہ مقبرہ نہیں۔

ہندستان میں مقامی کرنسی کے مقابلہ میں ڈالر کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ مگر جاپان میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ جاپان مسلم اسوسی ایشن کو رابطۃ العالم الاسلامی (مکہ) کی طرف سے مالی تعاون ملتا ہے جو ڈالر کی صورت میں ہوتا ہے۔ مگر اس وقت یہ صورت حال ہے کہ جب وہ اس تعاون کو جاپانی سکہ ین میں تبدیل کرتے ہیں تو وہ بہت کم ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ ین کے مقابلہ میں امریکی ڈالر کی شرح گھٹ گئی ہے۔ انھوں نے کہا: وبما ان الدعم المادی تقدمہ رابطۃ العالم الاسلامی یرسل بالدولار فانہ تأثر کثیراً بارتفاع قیمۃ الین الیابانی۔ وهكذا فهو يقدر

حالیا بعشرة آلاف ین یابانی فقط شہریا۔

۱۹ فروری کو الاستاذ طہ الولی (لبنان) کا درس تھا۔ موضوع تھا: المسجد و دورہ فی حضارة الاسلام وتراث المسلمین۔ انھوں نے اپنے درس کے لئے اس آیت کو بنیا د بنایا: انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر واقام الصلاة وآتی الزکوٰۃ ولم یخش الا اللہ فعسیٰ اولئک ان یکونوا من المہتدین (التوبہ)

مسجد کے بارہ میں انھوں نے مختلف تفصیلات بتائیں۔ انھوں نے بتایا کہ گستاولی بان نے لکھا ہے کہ مسجد مسلمانوں کے لئے مرکز حیات کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ بات یقیناً درست ہے۔ مگر اکثر لوگ مرکز حیات کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ مسجد کے اندر ہر قسم کی سرگرمیاں جاری ہوں۔ حتی کہ مسجد کے اندر قید خانہ بھی موجود ہو۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ تمام ظاہری نوعیت کی چیزیں ہیں۔ مسجد اصلاً خشیت الٰہی کی تربیت کا مرکز ہے۔ مسجد سے لوگوں کو سب سے زیادہ جو چیز ملنی چاہئے وہ یہی خشیت اور تقویٰ کی غذا ہے۔

دکتور ابراہیم الرفاعی نہایت سلجھے ہوئے ذہن کے آدمی ہیں۔ انھوں نے مغربی دنیا اور مسلم دنیا کا تقابل کرتے ہوئے کہا کہ مغرب کے لوگوں کی طاقت یہ ہے کہ وہ تنقید کو برداشت کرتے ہیں۔ ان کو ان کی غلطی بتائی جائے تو وہ اس کا اعتراف کر لیتے ہیں۔ جب کہ مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ تنقید کو سننے کے لئے تیار نہیں۔ وہ اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے (ہم یعترفون بخطایاہم ونحن لا نعترف بخطایانا) یہی وجہ ہے کہ ہر قسم کے امکانات کے باوجود مسلم دنیا خائب وخاسر بنی ہوئی ہے۔

رباط سے ایک عربی اخبار العلم (جاری شدہ ۱۹۴۶) نکلتا ہے۔ یہ حزب الاستقلال کا ترجمان ہے۔ اس کا شمارہ ۱۹ فروری ۱۹۹۴ دیکھا۔ اس کے صفحہ اول پر ایک رپورٹ چھپی ہوئی تھی جس کا عنوان تھا ــــــ مصر: حرب بین السلطة والاسلامیین۔ یعنی مصر میں ارباب اقتدار اور اسلام پسندوں کے درمیان جنگ۔ ایک اور خبر میں بتایا گیا تھا کہ حکومت الجزائر نے پاکستان اور ایران پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ الجزائر کے اسلام پسندوں کو مسلح کر رہے ہیں (الجزائر: اتہام باکستان وایران بتسلیح الاسلامیین)

میں سمجھتا ہوں کہ جو مسلمان نفاذ اسلام کے نام پر حکمرانوں سے مسلح جنگ چھیڑے ہوئے ہیں

وہ دورِ جدید کا سب سے بڑا جرم کر رہے ہیں۔ یہی وہ نادانی ہے جس نے موجودہ زمانہ میں اسلام کی دعوت کا راستہ روک رکھا ہے۔ یہ برائی جس دن ختم ہوگی اسی دن اسلام کی اشاعت کے دروازے کھل جائیں گے۔

۲۰ فروری کو ایک نوجوان ملاقات کے لئے آئے۔ ان کا نام الھیلہ لی مصدِّق ہے۔ الھیلہ لی ان کا خاندانی نام ہے جو عام رواج کے خلاف شروع میں لکھا جاتا ہے۔ یہ نوجوان جریدہ الرائے (رباط) کے نمائندہ تھے۔ انھوں نے الرائے کے لئے انٹرویو لیا۔ سوالات زیادہ تر ہندستانی مسلمانوں کے دینی اور سیاسی مسائل سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک سوال یہ تھا کہ: ما ھی نصیحتکم الی الشباب المسلم (مسلم نوجوانوں کے لئے آپ کی نصیحت کیا ہے)، میں نے کہا کہ میری نصیحت صرف ایک ہے —— وہ سیاست سے دور رہیں اور اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔

الھیلہ لی مصدق نے الاسلام یتحدی اور بعض دوسری عربی کتابیں پڑھی ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ مغرب (مراکو) میں خاص طور پر الاسلام یتحدی بہت پھیلی ہے۔ انھوں نے کہا کہ رباط میں ہم مسلم نوجوانوں کو اکٹھا کریں گے، آپ وہاں چل کر انھیں خطاب کریں۔ مگر بعض وجوہ سے میں اس کے لئے وقت نہ نکال سکا۔

مجھے یہ دیکھ کر تعجب تھا کہ مراکو کے بیشتر تعلیم یافتہ حضرات الاسلام یتحدی سے واقف ہیں اور اس کو پڑھے ہوئے ہیں۔ اس کا راز استاذ محمد مقر (وزارۃ الاوقاف) کے ذریعہ معلوم ہوا۔ انھوں نے بتایا کہ الاسلام یتحدی مراکو کے ثانوی مرحلہ کے نصاب میں عرصہ سے داخل ہے۔ اس بنا پر وہ بہت بڑی تعداد میں یہاں بار بار منگوائی گئی اور کثرت سے پھیلی۔ رباط کے ایک نوجوان الحبشی علال نے کہا: حتی لا یکاد یخلو منہ بیت۔ اس طرح کے احساسات بہت سے لوگوں نے بیان کئے۔

دکتور محمد فتحی عثمان نے کہا کہ امریکہ میں لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلام تشدد کا مذہب ہے اور مسیحیت محبت کا مذہب (ان دین الاسلام دین تشدد ودین المسیحیۃ دین حب)
انھوں نے اس غلطی کی ذمہ داری مسلمانوں پر ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ برداشت سے کام لیں اور جذبات میں آکر ایسی کارروائی نہ کریں جس سے خدا کے دین کی تصویر اغیار کی نظر میں بگڑ جائے۔ انھوں نے ایک تقریر میں واضح طور پر کہا کہ آجکل کے اسلام پسند

سلامیین) بدقسمتی سے تشدد کو اسلام کی اقامت کا ذریعہ سمجھ بیٹھے ہیں، اسی کی وجہ سے یہ ساری غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔

یہی بات دکتور ابراہیم الرفاعی نے کہی۔ انھوں نے کہا کہ ضروری ہے کہ ہم دوبارہ نبوی اصول کی طرف واپس لوٹیں (لابد من الرجوع الی القاعدة النبوية)

اخوانی فکر کے ایک نوجوان سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ سلمان رشدی کے قتل کے فتوے کو غلط سمجھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اس معاملہ میں میری رائے کوئی نئی یا منفرد رائے نہیں ہے۔ ایک رائے بلاشبہ وہ ہے جس کو امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول میں بیان کیا ہے۔ مگر علما کے درمیان ایک اور رائے بھی موجود ہے۔ چنانچہ مرتد کے بارہ میں (اور اس پر قیاس کرتے ہوئے شاتم کے بارہ میں بھی) ابراہیم النخعی اور سفیان الثوری کی رائے یہ ہے کہ اس سے ہمیشہ صرف توبہ کا تقاضا کیا جائے گا، اس کو قتل نہیں کیا جائے گا (يستتاب ابداً ولا يقتل)۔

عمر عبد السلام رباط میں عربی اخبار الشرق الاوسط کے نمائندہ ہیں۔ انھوں نے ۱۹ فروری ۔ انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر ہندستانی مسلمانوں کے حالات اور معاملات سے تھا۔

ایک سوال کے جواب میں میں نے کہا کہ ہندستانی مسلمان جن مسائل سے دوچار ہیں عام طور پر اس کی ذمہ داری ہندستان کے غیر مسلم فرقہ پر ڈالی جاتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہندستانی مسلمانوں کے مسائل کے واحد ذمہ دار خود مسلمانوں کے نااہل لیڈر ہیں۔ یہ نام نہاد لیڈر اس عربی مثل کے مصداق ثابت ہوئے ہیں:

اذا كان الغراب رئيس قوم — سيهديهم الىٰ دار البوار

افغانستان کے بارہ میں سوال کا جواب دیتے ہوئے میں نے کہا کہ جنگجوئی افغانیوں کی قومی صفت ہے۔ کبھی ان کے اس مزاج کا مظاہرہ اغیار کے خلاف ہوتا ہے اور کبھی خود اپنوں کے خلاف:

واحيانا على بكر اخينا — اذا ما لم نجد الا اخانا

۲۰ فروری کی شام کو شہر کے ایک ہوٹل نزل المارشی میں تعلیم یافتہ عرب نوجوانوں کا ایک اجتماع تھا۔ اس میں شرکت کی۔ ڈھائی گھنٹہ تک ان کے سامنے دین کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی۔

اس اجتماع سے واپسی میں رات کے گیارہ بجے کا وقت ہوگیا۔ جب میں مقام اجتماع سے نکل کر باہر آیا تو سڑک پر مردوں اور عورتوں کی زبردست بھیڑ نظر آئی۔ میں نے پوچھا کہ آدھی رات کو آخر اتنے زیادہ لوگ کیوں چل رہے ہیں اور یہ کہاں جا رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ رمضان میں یہی عرب ملکوں کا دستور ہے۔ رمضان کی رات کا زیادہ حصہ وہ بازاریں خرید و فروخت میں گزارتے ہیں۔ پرانی دہلی کے مسلم محلوں میں بھی اسی قسم کی بھیڑ ہوتی ہے۔ مگر وہ رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔ عرب ملکوں میں یہ بھیڑ رمضان کے پورے مہینہ میں جاری رہتی ہے۔

ایک مجلس میں ایک عالم نے یہ مشہور مقولہ دہرایا: ان للہ عباداً اذا ارادوا اراد۔ میں نے کہا کہ یہ بندے وہ ہیں جو اپنے آپ کو اتنا زیادہ مٹاتے ہیں کہ وہ ذاتی خواہش سے بلند ہو جاتے ہیں حتی کہ وہ خود بھی وہی چاہنے لگتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔ اور جب ان کی روحانی ترقی کا یہ درجہ آجائے تو اس کے بعد وہی واقعہ رونما ہوتا ہے جس کا اوپر کے مقولہ میں ذکر ہے۔ تاہم یہ ایک ایسا لطیف معاملہ ہے جس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

۲۱ فروری کی صبح کو عرب نوجوانوں کا ایک اجتماع ہوا۔ اس میں دور جدید میں اسلام کے احیا کے مسائل پر گفتگو ہوئی۔ ان میں سے ایک عرب ڈاکٹر بھی تھے۔ انھوں نے کہا کہ میرے بھائی روسی زبان جانتے ہیں اور وہ ماسکو میں رہتے ہیں۔ انھوں نے ایک روسی ادیب کی مدد سے الرسالہ مشن کی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا ہے۔ انسان اپنے آپ کو پہچان (انگریزی) کا ترجمہ روسی زبان میں وہ چھپوا چکے ہیں۔ اسی طرح تمام کتابوں کو چھپوانا چاہتے ہیں۔

دوپہر کو وزارۃ الاوقاف کے ہال میں مناقشہ ہوا۔ یہ مناقشہ مجامع مکارم الاخلاق والے مقالہ پر تھا۔ ڈاکٹر ابراہیم الرفاعی نے کہا کہ موجودہ زمانہ میں اسلام پسندوں نے تشدد کے ذریعہ اسلامی انقلاب لانے کی جو مہم شروع کر رکھی ہے اس سے رجوع کرنا ضروری ہے۔ اس کے بجائے اسلامی تحریک کو دعوت کے اصول پر چلانا چاہئے۔ اس رجوع کے بغیر اسلام کی تاریخ کو آگے نہیں بڑھایا جا سکتا۔

شام کو ۹ بجے ملک محمد الخامس کی ضریح پر "الحفل الدینی" منعقد کیا گیا۔ یہاں اعیان سلطنت اور اور نشرکا، درس بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ ملک محمد حسن الثانی بھی اس میں موجود تھے۔ پہلے

قرآن کی تلاوت ہوئی۔ پھر عربی نعت پڑھی گئی۔ اس کے بعد دعا پر مجلس برخاست ہوئی۔

ایک گفتگو کے ذیل میں میں نے کچھ عرب حضرات سے کہا کہ عمر ابوریشہ کی ایک مشہور نظم ہے۔ اس میں وہ جذباتی انداز میں کہتے ہیں کہ اے میری قوم کیا دنیا کی قوموں کے درمیان تلوار یا قلم میں تیرا کوئی مقام ہے:

اُمتی هَل لكِ بَينَ الأُمَمِ مِنبرٌ للسيفِ أو لِلقلمِ

میں نے کہا کہ یہ شعر موجودہ زمانہ کے مسلم دانشوروں کی ترجمانی کر رہا ہے۔ وہ مسلمانوں کو صرف ان کی قومی تاریخ کے اعتبار سے دیکھتے ہیں۔ قومی تاریخ کے اعتبار سے مسلمان بلند نظر آئیں تو وہ بلند ہیں اور قومی تاریخ کے اعتبار سے وہ پست نظر آئیں تو وہ پست ہیں۔ یہ مسلم دانشور شعوری طور پر اس سے بے خبر ہو گئے ہیں کہ مسلمانوں کے پاس ان کی قومی تاریخ کے علاوہ ایک اور چیز ہے، اور وہ دین اسلام ہے۔ تاریخ پستی اور بلندی کا شکار ہوتی ہے، مگر دین اسلام جو خدا کا محفوظ دین ہے، وہ اپنی نظریاتی صداقت کے اعتبار سے ہمیشہ بلند رہتا ہے، اس کے لئے پستی کا کوئی سوال نہیں۔

۲۲ فروری کی صبح کو کئی عرب نوجوان میرے کمرہ میں آ گئے۔ ان سے کئی گھنٹہ تک دینی اور ملی موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ ایک سوال کے جواب میں میں نے کہا کہ آخرت میں تین قسم کے لوگ ہوں گے۔ ایک وہ جن کا بدن اور جن کی روح دونوں دنیا میں پاک رہی۔ وہ سیدھے جنت میں داخل کر دئے جائیں گے۔ دوسرے وہ جن کی روح گندی نہیں ہوئی تاہم ان کا جسم بعض اوقات گناہوں سے آلودہ ہوا۔ ایسے لوگوں پر خدا اپنی رحمت کا پانی بہا دے گا۔ وہ پاک و صاف ہو کر جنت میں بسائے جانے کے قابل ہو جائیں گے۔ تیسرے وہ لوگ جن کا جسم بھی گندا تھا اور جن کی روح بھی گندی تھی۔ یہ لوگ قابل تزکیہ نہیں ہوں گے۔ وہ جنت میں داخلہ کے لئے نااہل قرار دیدئے جائیں گے۔

آج دوپہر کو وزارۃ الاوقاف کے ہال میں مناقشہ کی مجلس ہوئی۔ یہ مناقشہ المسجد و دورها فی الاسلام والے محاضرہ پر تھا۔ اسٹیج پر بولتے ہوئے ایک صاحب نے آیت پڑھی۔ اس کو انھوں نے اس طرح کہا: فلا تقربوا بعد عامهم هذا فوراً ہی حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا تقربوا نہیں یقربوا۔ اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے خدا نے اپنی کتاب کی حفاظت کے لئے

یہ غیر معمولی انتظام کیا ہے کہ ہر جگہ ایسے لوگ کھڑے ہوئے ہیں جو ایک لفظ کی غلطی کو بھی پکڑ لیں اور فوراً اس کی تصحیح کر دیں۔

سنیگال کے ایک صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہم لوگ آجکل المساجد قبل الساجد کے اصول پر عمل کر رہے ہیں۔ اس کے بجائے ہم کو الساجد قبل المساجد کے اصول پر عمل کرنا چاہئے۔ یعنی پہلے عبادت کی روح لوگوں کے اندر پیدا کرنا چاہئے، اس کے بعد مسجدیں اپنے آپ بن جائیں گی۔

انڈونیشیا کے الاستاذ مسلم نے کہا کہ ادخالُ غیر المسلمین فی المسجد حرام۔ انھوں نے کہا کہ فقہا اس معاملہ میں اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامہم ھٰذا۔ مگر اس آیت سے یہ مسئلہ نہیں نکلتا۔ اس آیت میں "مشرکین" سے مراد ساری دنیا کی مشرک کمیونٹی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ مشرکین ہیں جن پر خدا کے پیغمبر نے اتمام حجت کی حد تک دعوت پہنچائی۔ اس کے باوجود انھوں نے حق کو نہیں مانا یہاں تک کہ سنت اللہ کے مطابق ان کے استیصال کا فیصلہ کیا گیا۔

ایک صاحب نے ایک عربی مقولہ سنایا: معرفۃ الرجال کنز (آدمیوں کو پہچاننا ایک خزانہ ہے)

رباط کے عربی ہفت روزہ الرائے کے مراسل المیلہ لی مصدق نے بوسنیا کے صدر علی عزت بیغوفتش کی کتاب کا عربی ترجمہ البیان الاسلامی دیا۔ اس تقریب سے ان سے جہاد اسلامی کے موضوع پر گفتگو ہوئی۔ میں نے کہا کہ آجکل مسلمان جگہ جگہ لڑ رہے ہیں اور اس کو جہاد کا نام دیتے ہیں۔ مگر جہاد کی ایک لازمی شرط ہے، اس شرط کے بغیر جو حربی اقدام کیا جائے وہ شرعی اعتبار سے جہاد نہیں ہوگا۔ وہ شرط قرآن کی اس آیت میں ہے: واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد سے پہلے اعداد (تیاری) ضروری ہے۔ اس کا معیار ہے ـــــ اعداد الی حد الارھاب۔ میں نے کہا کہ موجودہ مجاہدین نے کیا ارہاب کی حد تک تیاری کی ہے۔ انھوں نے کہا کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ جب شرط ہی پوری نہ کی گئی ہو تو وہ جہاد کیسے ہو جائے گا۔ کیا وضو کی شرط پوری کئے بغیر

دئی نماز شرعی نماز ہو سکتی ہے۔

دکتور حسن محمد الفاتح قریب اللہ سوڈان کی جامعہ ام درمان میں استاد ہیں۔ انھوں نے گفتگو کے دوران کہا کہ آپ تو لیبیا میں رہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ نہیں، میں تو دہلی میں رہتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ آپ لیبیا میں رہتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں کتنی غیر ذمہ داری لوگوں کے اندر آگئی ہے۔ کسی کے بارہ میں کوئی بھی الٹی بات کہنے میں کوئی ہرج نہیں سمجھتے۔ حالاں کہ زبان کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ بعض باتیں آدمی کو جہنم میں پہنچا دیتی ہیں۔

۲۱ فروری کی شام کو تمام لوگ والی رباط (گورنر رباط) کی رہائش گاہ پر لے جائے گئے۔ یہاں والی کی طرف سے افطار کا انتظام تھا۔ ہم لوگ پہنچے تو افطار کے سامان سے میز بھری ہوئی تھی۔ لمبی افطار کے بعد نماز باجماعت ادا کی گئی۔ اس کے بعد لوگ ایک کمرہ میں بیٹھ کر دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد تین بار کھانے کے سامان سے میز لبریز کی گئی۔ حسب عادت میں نے چند سادہ چیزیں مقدار میں کھائیں۔ ہر ایک کی پلیٹ میں بریڈ رکھی جانے لگی۔ میں نے دکتور ابراہیم الرفاعی سے کہا کہ نصف لی و نصف لك اور ان کی بریڈ میں سے آدھا لے لیا۔ اس کے بعد میں روٹی اور سلاد ملا کر دھیرے دھیرے کھاتا رہا۔ دکتور حسن محمد الفاتح قریب اللہ (سوڈان) مجھ سے نزدیک کی کرسی پر تھے، آخر میں انھوں نے کہا کہ آپ تو کھاتے ہی نہیں۔

کھانے کی بڑی میز پر مختلف قسم کے کھانے جمع تھے۔ لوگ کھا رہے تھے اور تفریحی باتیں کر رہے تھے۔ میں نہ ان کی ہنسی میں شریک ہو سکا اور نہ ان کی باتوں میں۔ میں بس خاموش بیٹھا ہوا سنتا رہا۔ دکتور احمد علی الامام (مدیر جامعہ ام درمان، سوڈان) بھی قریب ہی تھے۔ وہ دیر تک میری حالت دیکھتے رہے۔ اس کے بعد میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور یہ عربی شعر پڑھا:

وحيد من الخلان في كل مَهْمَهٍ　　اذا اعظم المطلوب قلّ المساعد

ایک بار کھانے سے فراغت کے بعد کچھ عرب علما بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک مصری کو نعتیں یاد تھیں انھوں نے مختلف عربی نعتیں سنانا شروع کیا، میں سنتا رہا۔ آخر میں میں نے کہا کہ یہ نعتیں جو آپ نے سنائی ہیں وہ سب کی سب لفظی تعریف کی حیثیت رکھتی ہیں۔ میں آپ کو ایک اور نعت سناتا ہوں

جو پیغمبر کی معنوی تعریف میں ہے۔ یہ ایک برطانی مستشرق ای ای کیلیٹ کی منثور نعت ہے۔ کم ازکم اِ
بارہ میں میں کہہ سکتا ہوں کہ اردو، فارسی، عربی میں نعتیہ اشعار کا جو ذخیرہ ہے، یہ نعت ان سب پ
بھاری ہے۔ یہ منثور نعت انگریزی میں ہے، اس کا عربی ترجمہ یہ ہے: محمد واجه الصعوبات
بعزم ان یعصر الفوز من الفشل.

ایک مجلس میں ایک عرب عالم نے کہا کہ آج کی سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ ہمارے درمیان
عزالدین عبدالسلام جیسے علماء موجود نہیں جن کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ: اذا خرج خرجت
الامة کلها (جب وہ نکلے تو پوری امت ان کے ساتھ نکل پڑی)

میں نے کہا کہ یہ بات صحیح نہیں۔ آج بھی ہمارے یہاں بہت سے علماء پیدا ہوئے۔ مث
حسن البنا ۱۹۴۸ میں یہ کہہ کر اٹھے کہ لبیك يا فلسطين تو ان کے ساتھ مصری قوم سڑکوں پر
نکل آئی۔ انڈیا میں مولانا محمد علی جوہر نے خلافت کا نعرہ لگایا تو تمام مسلمان ان کے پیچھے چل پڑ
الجزائر میں کچھ علماء نے استعمار سے آزادی کا نعرہ دیا تو لاکھوں لوگ گولی کھانے کے لئے تیا
ہوگئے۔ وغیرہ۔

اصل یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں جب کوئی عالم ایک کام کے لئے اٹھا تو اس کے عمل کا نتیجہ برآ
ہوا۔ موجودہ زمانہ میں جو علماء اٹھے ان کی کوششیں مکمل طور پر بے نتیجہ ہو کر رہ گئیں۔ لوگوں کی کمزو
یہ ہے کہ وہ نتیجۂ عالم کے فقدان کو خود عالم کے فقدان پر محمول کر رہے ہیں۔ حالانکہ جو چیز مفقود ہے
نتیجۂ عالم ہے نہ کہ عالم۔

ایک صاحب کا ٹیلی فون آیا۔ انھوں نے اپنا نام العمرانی بتایا۔ وہ مراکو ریڈیو کے دفتر سے بو
رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ روزانہ ہم ریڈیو پر آپ کی ٹاک رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ رمضا
کے آخر مہینہ تک میں یہاں رہوں گا۔ میں نے معذرت کی۔ میں نے کہا کہ اب تو میرا جانے کا وقت
آگیا ہے۔ اب میں آپ کی فرمائش پوری نہیں کر سکتا۔

۲۳ فروری کو کوئی پروگرام نہیں تھا۔ سارے دن ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ ی
ملاقاتیں زیادہ تر عرب نوجوانوں سے ہوئیں۔ ایک نوجوان نے موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کے مسائ
و مشکلات کے بارہ میں سوال کیا۔ میں نے کہا کہ موجودہ حالات کو دوسرے لوگ مشکلات کا نا

یتے ہیں مگر میں ان کو چیلنج کہتا ہوں۔ اور چیلنج ہمیشہ فرد یا قوم کی صلاحیتوں کو ابھارنے کا ذریعہ بنتا ہے۔
س لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ حالات مسلمانوں کے لئے نئی کامیابی کا زینہ ہیں۔

شام کو تمام شرکا، جنرل قادری کی رہائش گاہ پر لے جائے گئے۔ یہاں افطار کا انتظام تھا۔ دیر
ک افطار کا سلسلہ جاری رہا۔ لوگ ذوق وشوق کے ساتھ کھاتے رہے اور تفریحی باتیں کرتے
ہے۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے اعلان کیا کہ مغرب کی نماز پڑھنے کے لئے آجائیں۔ ایک عرب عالم
لے اٹھتے ہوئے کہا : ما اكلنا الا يُهضم الا بالصلاة۔

ہندستان میں جہاں کہیں کچھ پڑھے لکھے لوگ جمع ہوتے ہیں تو زیادہ تر وہ تفریحی باتیں کرتے
یں۔ اگر کسی علمی نکتہ کا ذکر آتا ہے تو وہ بھی تفریح کے انداز میں۔ یہاں بھی تقریباً یہی حال تھا،
س فرق کے ساتھ کہ ہندستان میں اردو میں تفریحی باتیں ہوتی ہیں اور یہاں عربی میں۔ میز پر کیلا
یا تو ایک صاحب نے اس کو ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا : الامام مالک کان یحب الموز۔ دوسرے
احب نے کہا کہ وہ کیلے کو بھی پسند کرتے تھے اور موت کو بھی۔

ایک لبنانی عالم تھے۔ انھوں نے کہا کہ ويحمل عرش ربك يومئذ ثمانية (الحاقہ)
ں ثمانیہ سے مراد آٹھ پہاڑ ہیں، ان میں سے ایک لبنان کا پہاڑ ہے۔ دوسرے صاحب نے کہا کہ
تفسیر غلط ہے۔ لبنانی بزرگ نے کہا کہ ہم تو کتابوں میں جو پڑھتے ہیں اس پر ایمان رکھتے ہیں۔
راسخون فی العلم یؤمنون بہ۔ تفریح کے موڈ میں ان کو یاد نہیں رہا کہ آیت میں ایمان
ے مراد قرآن پر ایمان ہے نہ کہ تفسیری حاشیوں پر ایمان۔

ایک مجلس میں چند علماء بیٹھے ہوئے تھے۔ دکتور ابراہیم الرفاعی نے ایک مراکشی عالم سے میرا
ارف کرانا چاہا۔ انھوں نے کہا : ان کو کون نہیں جانتا ان کی کتابیں تو اسلامی بیداری کی تمہید ہیں۔
کتبہ مقدمة الصحوة)

۲۴ فروری کی صبح کو فجر کی نماز ادا کی تو ذہن پر یہ خیال طاری تھا کہ کل صبح کو مجھ کو یہاں سے
وانہ ہونا ہے۔ نماز کے بعد دعا کرتے ہوئے یہ الفاظ زبان پر آگئے : رب ادخلنی مدخل صدق
خرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنك سلطانا نصیرا (اے میرے رب، مجھ کو داخل کر سچا داخل
لنا، اور مجھ کو نکال سچا نکالنا۔ اور مجھ کو اپنے پاس سے مددگار قوت عطا فرما) بنی اسرائیل ۸۰

۲۴ فروری کو الاستاذ التلمامی الراجی الہاشمی کا درس تھا۔ اس کا موضوع تھا : القرآت المتواترۃ والوقف القیروانی۔ انھوں نے الترمذی میں انس ابن مالک کی اس روایت کو عنوان بنایا تھا کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ اَنّ النفسَ بالنفسِ وَالعینُ بالعینِ (المائدہ) انھوں نے خالص فنی انداز میں قرآن میں اختلاف قرأت اور اختلاف وقف کے اوپر روشنی ڈالی۔

درس کے فوراً بعد افطار کے لئے جانا تھا۔ یہ افطار قصر ملکی کے جنرل کی رہائش گاہ پر تھا۔ رؤساء عرب کے عام دستور کے مطابق بے شمار قسم کے کھانے وافر مقدار میں میزوں پر سجائے ہوئے تھے۔ سو اچھ بجے افطار شروع ہوا۔ واپس فندق میں آئے تو رات کے ساڑھے نو بج چکے تھے۔

سب سے پہلے انواع واقسام کی چیزوں سے افطار کیا گیا جو پورے کھانے کے برابر تھا۔ کھانے کے دوران لوگ طرح طرح کی تفریحی باتیں کرتے رہے۔ آدمی پانی کی ٹرے لے کر آیا تو ایک صاحب نے کہا : الماء لمن طلب۔ دوسرے نے کہا : الحلیب لمن حلب۔ اس طرح تفریحی باتوں کے درمیان لوگ کھاتے رہے۔ اس کے بعد مغرب کی نماز کا اعلان ہوا تو ایک صاحب نے کہا: ما اکل لا یھضم الا بالصلاۃ۔

مغرب کی نماز کے بعد ایک بڑے کمرہ میں نشست ہوئی۔ یہاں لوگوں کے اوپر عطر چھڑکا گیا۔ بخور جلائے گئے۔ مختلف قاریوں نے قرآن کی تلاوت کی۔ ایک قاری نے اقرأ باسم ربك الذی خلق۔ کو سات قرأتوں کے ساتھ پڑھ کر سنایا۔ ایک بار دو قاریوں نے مل کر کورس کی صورت میں قرآن کے کچھ حصے پڑھے۔ کسی نے یمن کی قرأت سنائی، کسی نے مغرب کی اور کسی نے مصر کی۔

اس کے بعد کھانے کا دور شروع ہوا۔ ایک کے بعد ایک تین بڑی بڑی ٹرے میں لاکر ہر میز پر گوشت رکھ دیا گیا۔ میں تو گوشت کا ایک ریزہ بھی نہ لے سکا۔ تاہم لوگ نہایت ذوق وشوق کے ساتھ کھاتے رہے۔ حمامہ (کبوتر) کی ٹرے آئی تو ہر شخص نے ایک ایک مسلم کبوتر اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھ لی۔ ایک صاحب نے کہا : کل واحد بحمام۔ دوسرے صاحب نے کہا : فکل انسان طائرہ فی عنقہ۔ میں اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا صرف کھانے والوں کا منظر دیکھتا رہا۔ ہر بار گوشت اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ کافی کھانے کے بعد بھی بہت زیادہ بچ جاتا تھا۔

عربوں میں بہت بڑی تعداد میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جن کو الرسالہ مشن سے گہری دلچسپی ہے۔ عرب نوجوانوں کا ایک حلقہ ہے جس نے ایک درجن سے زیادہ کتابوں کا عربی ترجمہ کروایا ہے۔ اور ان کو قاہرہ سے شائع کیا ہے۔ یہ لوگ ایک اردو داں عالم کی مدد سے ہر ماہ اردو الرسالہ کا مکمل ترجمہ عربی میں کراتے ہیں اور پھر اس کو اجتماعی طور پر پڑھتے ہیں۔ اس حلقہ کے کئی نوجوان رباط آئے۔ کئی دن تک ان سے اسلام اور الرسالہ مشن کے بارہ میں گفتگو ہوتی رہی۔

دکتور عبدالصبور شاہین (قاہرہ) نے ۲۴ فروری کی ملاقات میں کہا کہ جمال عبدالناصر اقتدار پانے سے پہلے ایک اخوانی تھا۔ اس کی پرورش اخوان کے اندر ہوئی، اس کے بعد اس نے خیانت کی (جمال عبدالناصر رُبِّیَ فی الاخوان ثم خان) انھوں نے بتایا کہ ناصر کے ساتھی حسن تہامی کی شہادت ہے کہ ناصر کافر تھا، وہ منکر تھا۔ عبدالصبور شاہین نے کہا کہ ناصر بیسویں صدی کا سب سے بڑا دشمن اسلام تھا۔

میں نے کہا کہ اس قسم کی باتوں کو پہلے میں اہمیت دیتا تھا، مگر اب میں ایسی باتیں سنتا ہوں تو میں اس کو اہمیت نہیں دے پاتا۔ اس کا سبب میرا ذاتی تجربہ ہے۔ میں نے کہا کہ یہی اسلام پسند لوگ میرے بارہ میں کہتے ہیں کہ میں اسلام دشمنوں کا ایجنٹ ہوں۔ میں اسلام دشمن طاقتوں سے پیسے لیتا ہوں۔ حالاں کہ یہ باتیں سراسر جھوٹ اور اتہام ہیں۔ میں جو کچھ کہتا ہوں صرف قرآن و سنت کے مطالعہ کی بنیاد پر کہتا ہوں، کسی بھی دوسرے شخص یا گروہ کے اشارہ پر ہرگز نہیں کہتا ہوں۔ اس ذاتی تجربہ سے میں نے جانا کہ لوگ اپنے مخالفین کے بارہ میں کتنی زیادہ بے بنیاد بات کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے اب میں وہی بات مانتا ہوں جس کا مجھے خود براہ راست علم حاصل ہوا ہو۔

مراکو کے کچھ نوجوانوں نے ایک دینی اور اصلاحی تنظیم قائم کی ہے۔ اس کا نام ہے: حرکة الاصلاح والتجدید المغربیة۔ ایک نوجوان نے اس کا ۴۲ صفحہ کا میثاق دیا۔ اس کا دسواں قاعدہ التعاون مع الغیر لمصلحة المسلمین۔ اس کے تحت درج تھا: ان التعاون علی تحقیق الخیر قد یتجاوز دائرة الاسلامیین لیشمل غیرهم من الطاقات الفاعلة فی البلد علی ان تحکم ذالك التعاون مصلحة راجحة للاسلام. ومالم یستلزم ذالك مفسدة اکبر مصداقا لقول الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ لقد شهدت فی دار عبداللہ بن جدعان حلفا ما احب ان لی به حمر النعم۔ ولو دعیت به فی الاسلام لاجبت)

۲۵ فروری کی صبح کو رباط سے واپسی تھی۔ فجر کی نماز پڑھ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا تو یہ الفاظ زبان پر آگئے: خدایا آپ ہی مجھ کو خیریت کے ساتھ دہلی سے مراکو لے آئے۔ اب آپ ہی مجھ کو خیریت کے ساتھ دوبارہ دہلی پہنچائیں گے۔ آپ ہی نے مجھ کو پیدا کرکے دنیا میں رکھا، آپ ہی مجھ کو آخرت میں خیریت کے ساتھ داخل کریں گے۔

روانہ ہوا تو خیال آیا کہ سفر میں روزہ رکھ لوں تاکہ ناغہ نہ ہو۔ پھر یہ حدیث یاد آئی کہ لیس من البر الصیام فی السفر۔ چنانچہ میں نے ۲۵ فروری کو روزہ نہیں رکھا۔ البتہ ۲۶ فروری کی صبح آئی تو روزہ کی نیت کرلی۔

۲۵ فروری کی صبح کو واپسی تھی۔ ہوٹل سے ایئرپورٹ کے لئے روانگی ہوئی۔ ڈکتور ابراہیم الرفاعی کا ساتھ رہا۔ وہ بیک وقت علمی اور صوفیانہ مزاج کے آدمی ہیں۔ اتفاق سے یہی میرا مزاج بھی ہے۔ چنانچہ راستہ میں اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ ایئرپورٹ پہنچے تو میرے ساتھ حسب معمول صرف ایک بیگ تھا۔ اس کو دیکھ کر انھوں نے کہا: فاز المخفقون۔

الدار البیضاء (کیسابلانکا) سے پیرس کے لئے ایئر مراک، فلائٹ ۲۸۰ کے ذریعہ روانگی ہوئی۔ راستہ میں مختلف چیزیں پڑھیں۔ نیوز ویک (۲۸ فروری ۱۹۹۴) کی کور اسٹوری کا عنوان تھا:

A child's diary of war.

ایک تیرہ سالہ لڑکی (Zlata Filipovic) بوسنیا کے شہر سراجیو (Sarajevo) میں رہتی تھی۔ اب وہ پیرس میں ہے۔ اس نے سراجیو میں ڈائری لکھنا شروع کیا۔ اس کی یہ ڈائری حال ہی میں امریکہ سے چھپی ہے۔ اس میں اس نے اپنے احساسات درج کئے ہیں جو پڑھنے کے قابل ہیں۔ اس کا ایک تاثر انگریزی میں اس طرح نقل کیا گیا تھا کہ سرب، کرواٹ اور مسلمان سب ایک قوم کے لوگ ہیں۔ سیاست کیوں ہم کو الگ کر رہی ہے۔ یہ سیاست بڑی عمر کے لوگ چلا رہے ہیں۔ ہم نوجوان اس کو زیادہ بہتر طور پر چلا سکتے ہیں:

Serbs, Croats and Muslims — they are all people. Why is politics separating us. Politics are conducted by grown-ups. We young would do it better. (12)

اس ڈائری کو پڑھ کر اندازہ ہوا کہ بوسنیا میں اسی قسم کی سیاست چلائی گئی جو برصغیر ہند میں چلائی

لی مسلم لیڈروں نے تقسیم ہند کی تحریک چلائی۔ اس کے جواب میں اکھنڈ بھارت کی تحریک چلی۔ ان تحریکوں کے نتیجہ میں جو گرمی پیدا ہوئی اس نے ہندستان کو جھلس کر رکھ دیا۔ ٹھیک یہی بوسنیا میں بھی پیش آیا۔

راستہ میں ایر انڈیا کا فلائٹ میگزین (جنوری۔ فروری ۱۹۹۴) دیکھا۔ اس کے صفحہ ۱۷ پر یہ جاذب سرخی تھی ——— سمائی ٹیلیفون (sky phone) اس سرخی کے نیچے لکھا ہوا تھا کہ دنیا آپ کی انگلی کے تحت (The world at your tip) اس میں بتایا گیا تھا کہ ایر انڈیا کے بوئنگ جہاز میں سفر کرتے ہوئے آپ سمائی ٹیلیفون کے ذریعہ دنیا کے کسی بھی مقام پر ٹیلیفون کر سکتے ہیں:

On the Boeing 747-400, you can call anywhere around the globe, using skyphone.

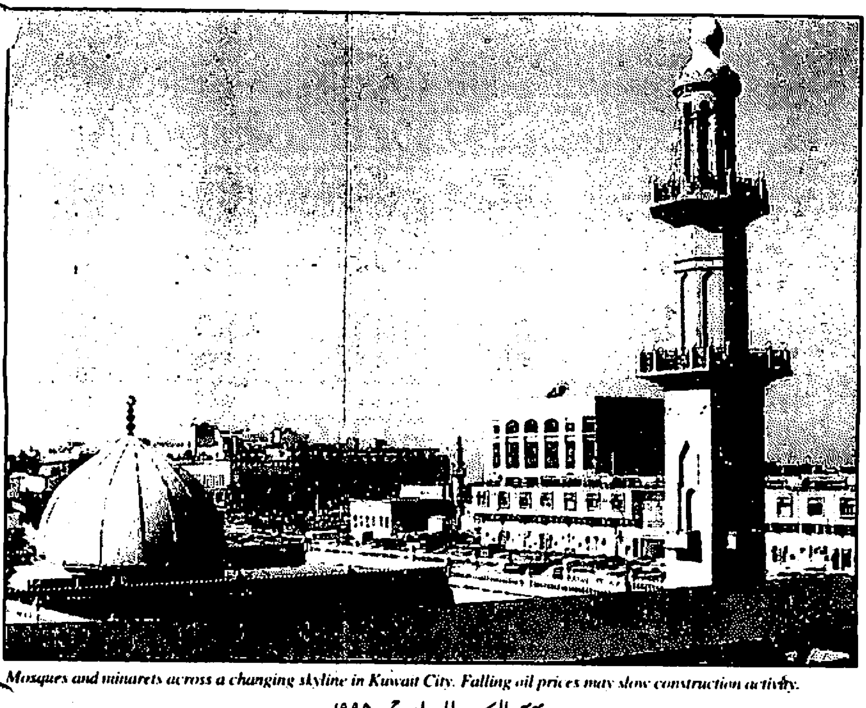
ان سطروں کو پڑھتے ہوئے خیال آیا کہ موجودہ زمانہ میں اس قسم کے مشینی واقعات گویا قدرت الٰہی کا تعارف ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ ساری کائنات خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ ہر جگہ جو چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے اپنے حکم کی تنفیذ کر رہا ہے۔ یہ عظیم واقعہ کیوں کر انجام پاتا ہے، موجودہ مشینی ترقیاں اسی کا ابتدائی سطح پر امکانی تعارف ہیں۔

اگر آپ نقشہ پر دیکھیں تو کیسا بلانکا سے دہلی آنے کے لئے سیدھا راستہ اس طرح ہے ——— کیسا بلانکا، طرابلس، اسکندریہ، کویت، بندر عباس، دہلی۔ مگر میں کیسا نکا سے پیرس جا رہا ہوں۔ یہ گویا الٹی طرف سفر ہے۔ پھر پیرس سے میں دہلی کے لئے فلائٹ لوں گا۔ یہ مسلم دنیا کے پچھڑے پن کی قیمت ہے۔ کیوں کہ مناسب پرواز مجھے پیرس ہی سے مل سکتی ہے۔

کیسا بلانکا (الدار البیضاء) سے پیرس جاتے ہوئے ہمارا جہاز اسپین کے اوپر سے گزرا۔ اسپین کے تصور سے ماضی کی تاریخ کی بہت سی باتیں تازہ ہوگئیں۔ اسپین میں مسلمانوں کا دور ایک بے حد پُراز واقعات دور تھا۔ شاید کسی بھی دوسرے مقام سے اتنے زیادہ اسلامی واقعات وابستہ نہیں ہیں جتنا کہ اسپین سے وابستہ ہیں۔ اسپین میں تقریباً ہر قسم کے واقعات موجود ہیں۔ وہ بذات خود ایک مکمل تاریخ ہے۔ تاہم اس وقت میں مسلم اسپین کے بارے میں کچھ نہیں لکھوں گا۔ کیوں کہ جلد ہی ان شاء اللہ اسپین کے لیے میرا ایک سفر ہوگا۔ اس وقت سفرنامہ اسپین کے تحت ان شاء اللہ اس کا تذکرہ کیا جائے گا۔

انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبون (۲۵ فروری) دیکھا۔ اس کے ایڈورٹائزمنٹ سکشن میں نو صفحہ کویت کے بارہ میں تھا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ خلیج کی جنگ کے بعد کویت کس طرح دوبارہ معمول پر آگیا ہے اور ترقی کی طرف اپنا سفر طے کر رہا ہے۔ اس دنیا میں نقصانات پیش آتے ہیں، مگر اسی کے ساتھ دنیا میں یہ امکان بھی وافر مقدار میں موجود ہے کہ اگر ہمت اور منصوبہ بندی سے کام لیا جائے تو ہر نقصان نئے عظیم تر فائدہ کا زینہ بن جاتا ہے۔ اخبار میں نئے کویت کی جو تصویریں دی گئی تھیں ان میں سے ایک مسجد بھی تھی جو جدید کویت کے اوپر گویا خدائی نگراں کے طور پر کھڑی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

مذکورہ ٹریبون کی ایک خبر میں بتایا گیا تھا کہ بوسنیا کے مسلمان اور کرواٹ دونوں کے نمائندے واشنگٹن میں اس ہفتہ کے آخر میں ملنے والے ہیں تاکہ بوسنیا میں مشترکہ دوقومی ریاست (unified bi-national Bosnian state) کی تجویز پر گفت گو کر سکیں۔ حالات بتاتے ہیں کہ بوسنیا کے لوگوں نے زندگی کا یہ راز پا لیا ہے ــــــ لیک بعد از خرابی بسیار۔



*Mosques and minarets across a changing skyline in Kuwait City. Falling oil prices may slow construction activity.*

ہر زبان میں ایک مقام اور دوسرے مقام کے لہجہ میں فرق ہوتا ہے۔ یہی معاملہ عربی زبان کا بھی ہے۔ مراکو مغربی سمت میں عرب دنیا کا بعید ترین ملک ہے۔ چنانچہ یہاں آتے آتے لہجہ کا فرق آخری حد تک مختلف ہوگیا ہے۔ یہاں کے علماء ہم لوگوں سے فصیح زبان میں بولتے تھے۔ اس لئے ان کی بات تو بخوبی سمجھ میں آتی تھی۔ مگر عوام کی بولی سمجھنا میرے لئے سخت مشکل تھا۔

عوام کی سطح پر یہاں کا عربی لہجہ اتنا زیادہ مختلف ہے کہ جب ایک شخص بولتا ہے اگرچہ وہ عربی بول رہا ہوتا ہے مگر کتابی عربی جاننے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کوئی غیر زبان بول رہا ہے۔ مثلاً میرے ساتھ جو سائق تھا، اس نے اپنا نام لبدوی محمد بتایا۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ لبدوی اصل میں البدوی ہے۔ سائق جب کچھ کہتا تو مشکل سے اس کا کوئی لفظ میری سمجھ میں آتا۔ میں صرف اندازہ سے سمجھتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ مثلاً ایک بار جب مجھے درس میں شرکت کے لئے شاہی قصر میں جانا تھا، میں نے ایک صاحب کی بابت پوچھا۔ سائق (ڈرائیور) نے کہا: ماشش کافی سوچنے کے بعد سمجھ میں آیا کہ وہ کہہ رہا ہے: مشیٰ یعنی وہ چلے گئے۔

یہ قرآن کی طاقت تھی جس نے عربی زبان کو سابقہ حالت پر باقی رکھا۔ ورنہ اب تک عربی زبان بگڑ کر کچھ سے کچھ ہوگئی ہوتی۔ بلکہ لہجوں میں تقسیم ہوتے ہوتے وہ کئی الگ الگ زبان کی صورت اختیار کر لیتی۔

کیسابلانکا سے آنے والے جہاز نے مجھ کو اورلی (مقامی ایئرپورٹ) پر اتارا تھا۔ اس کے بعد مجھ کو چارلس ڈیگال (انٹرنیشنل ایئرپورٹ) پر جانا تھا۔ دونوں ایئرپورٹ کے درمیان کافی فاصلہ ہے۔ تاہم ایئر فرانس کی طرف سے ہر وقت بس آتی جاتی رہتی ہے۔ ایئرپورٹ کے باہر آکر میں نے یہ بس پکڑی اور اس کے بعد چارلس ڈیگال ایئرپورٹ آگیا۔ یہاں سے ایئر انڈیا کی فلائٹ ۱۴۸ کے ذریعہ دہلی کے لئے روانگی ہوئی۔ یہ نان اسٹاپ فلائٹ تھی۔ پیرس سے دہلی تک ۲۹۵ ۶ کیلومیٹر کا سفر تقریباً آٹھ گھنٹہ میں طے ہوا۔

پیرس ایئرپورٹ پر فرانسیسی پولیس نے میرا پاسپورٹ لے لیا اور مجھ کو "انٹروگیشن" کے کمرہ میں لے گئی۔ وہاں پہنچا تو ایک اور داڑھی والے مسلمان کو پولیس نے بٹھا رکھا تھا۔ تعارف کے بعد معلوم ہوا کہ وہ مراکو کے بن حماد مولای عمر ہیں جو کہ کلیۃ الآداب والعلوم الانسانیہ (المحمدیہ) میں

استاد ہیں۔ تعارف کے بعد وہ بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ میرے پاس الاسلام یتحدی کے دو نسخے ہیں۔ میں نے اس کو بار بار پڑھا ہے اور اپنی تقریروں میں اس سے بہت کام لیتا ہوں۔

فرانسیسی پولیس نے میری ایک ایک چیز کی نہایت مکمل جانچ کی۔ اور دیر تک مجھے ایئر پورٹ پر روکے رکھا۔ مذکورہ مراکشی عالم سے میں نے پوچھا کہ آخر یہ لوگ اتنی سخت جانچ کیوں کر رہے ہیں۔ پہلے تو ایسا نہیں ہوتا تھا۔ انھوں نے کہا کہ خود اپنے کچھ لوگوں کی نادانی کے نتیجہ میں ایسا پیش آیا ہے۔ کچھ مسلمان ان کے ملکوں میں تخریبی کارروائی کرتے ہیں اور تمام مسلمانوں کو وہ مشتبہ سمجھ لیتے ہیں۔ ہم اسی کی قیمت ادا کر رہے ہیں (نحن نؤدی الثمن)

پیرس سے دہلی کے راستہ میں مختلف پرچے دیکھے۔ الشرق الاوسط (۲۵ فروری) میں صفحہ پر ایک مضمون کا عنوان تھا: الآخرون تعلموا من مصائبنا، فمتی نتعلم (دوسروں نے ہماری مصیبتوں سے سبق لیا، پھر ہم کب سبق لیں گے) اسی طرح ادارتی نوٹ کا عنوان ان لفظوں میں تھا: الحرب الباردة وهباتها الساخنة (سرد جنگ اور اس کے گرم جھونکے) اس کو پڑھ کر خیال آیا کہ آجکل ہر مسلم اخبار، خواہ وہ کسی زبان میں ہو، اسی قسم کی شکایتی باتوں کا مجموعہ ہو ہے۔ موجودہ زمانہ کی مسلم صحافت فریاد اور احتجاج کی صحافت بن کر رہ گئی ہے۔

یہ پیرس سے دہلی تک کی نان اسٹاپ فلائٹ تھی۔ تقریباً آٹھ گھنٹہ کی مسلسل پرواز کے بعد ۲۶ فروری ۱۹۹۴ کی صبح کو جہاز دہلی کے انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر اتر گیا۔ جہاز سے باہر آیا تو کسٹم کے ہال میں بہت بڑی تعداد میں لوگ اپنے بھاری سامانوں کے ساتھ مختلف کھڑکیوں پر کھڑے ہوئے تھے۔ میرے ساتھ دستی بیگ کے سوا کوئی سامان نہ تھا۔ چنانچہ میں کسی حساب کتاب کے بغیر چلتا ہوا ایئر پورٹ کے باہر آگیا۔

۱ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اولڈ بوائے ایسوسی ایشن کی طرف سے مظفر نگر میں مسلمانوں کے لئے ریزولیشن اور ایجوکیشن کے موضوع پر ایک سیمنار ۲۳ اکتوبر ۱۹۹۴ کو ہوا۔ اس میں صدر اسلامی مرکز نے چیف گیسٹ کی حیثیت سے شرکت کی اور تعلیم کے موضوع پر خطاب کیا۔ مظفر نگر میں حاجی عقیل احمد صاحب کے مکان پر قیام تھا۔ یہاں متعدد تعلیم یافتہ اصحاب سے ملی مسائل پر گفت گو ہوئی۔

۲ انگریزی اخبار ایشین ایج کی نمائندہ مسز مینل باگھیل نے ۲۵ اکتوبر ۱۹۹۴ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر بابری مسجد اجودھیا کے بارہ میں سپریم کورٹ کے فیصلہ (۲۳ اکتوبر) سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ صدارتی ریفرنس کو واپس کرکے سپریم کورٹ نے اپنے آپ کو اس معاملہ میں شمولیت سے بچالیا اور معاملہ کو گویا دوبارہ حکومت کے حوالے کر دیا:

It is like throwing the ball back into the government's court.

۳ ہفت روزہ نئی دنیا کے نمائندہ مسٹر جمال فہمی نے ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۴ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر بابری مسجد اشو پر صدارتی ریفرنس کے بارہ میں سپریم کورٹ کے فیصلہ سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ اس میں ضمنی امور پر تو فیصلہ دیا گیا ہے۔ مگر اصل مسئلہ بدستور برقرار ہے۔ یعنی یہ کہ کیا بابری مسجد کسی مندر کو توڑ کر بنائی گئی تھی۔

۴ پروفیسر جیمز پسکاٹوری (James Piscatori) نیویارک کی کونسل آن فارین ریلیشنز میں سینیر فیلو ہیں۔ وہ مسلم پالی ٹکس پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں۔ ۲۸ اکتوبر ۱۹۹۴ کو وہ مرکز میں آئے اور اس موضوع پر صدر اسلامی مرکز سے تفصیلی انٹرویو لیا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ اسلام مغرب کے لئے خطرہ نہیں ہے۔ البتہ کچھ پرجوش مسلمان اپنی نادان کارروائیوں سے مغرب کے لئے بعض مسائل پیدا کر رہے ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ اسلام اور مسلمانوں کو الگ کرکے دیکھیں۔ موصوف کا ایک خط ملا ہے جو اگلے صفحہ پر دیکھا جا سکتا ہے۔

COUNCIL ON FOREIGN RELATIONS

14 November 1994

Mawlana Wahiduddin Khan
C-29 Nizamuddin West
New Delhi 110013

Dear Mawlana,

I write to thank you ever so much for kindly seeing me when I was briefly in Delhi. It was an honour to have met you after having read so many of your imporant works. I learned a great deal from our discussion, and I was especially pleased to have your thoughts on my project. I do agree with you that a distinction ought to be drawn between "political Islam", which does not really exist, and "political Muslims", who do.

Your gift of the book, Indian Muslims, was most generous, and I will look forward to reading it very soon. I am sure that I will find in it the same cogency and insight that I heard from you in Delhi.

I hope you will not mind if I stay in touch. I would very much like to meet you again on my next visit.

With my warm thanks again for your hospitality and assistance, and very best wishes to you.

Yours sincerely,

James Piscatori

58 EAST 68TH STREET, NEW YORK, NY 10021 ■ TEL (212) 734-0400 ■ FAX (212) 861-1916

صدر اسلامی مرکز کی ایک تقریر ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۴ کو آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی سے نشر کی گئی۔ اس تقریر کا عنوان تھا: تصوف اور تہذیب نفس۔

۶ بڑودہ میں ۱۳ نومبر ۱۹۹۴ کو ریلیجن اینڈ سوسائٹی کے موضوع پر ایک آل انڈیا سیمنار ہوا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور اس سے خطاب کیا۔ اس کی رودادانشاء اللہ سفرنامہ کے تحت شائع کر دی جائے گی۔

۷ محمد اقبال صاحب (اندور) لکھتے ہیں: الرسالہ اکتوبر ۱۹۹۴ میں آپ نے اپنے دلائل، خصوصاً مولانا مودودی، مولانا علی میاں، مولانا حسین احمد مدنی کی جو تحریریں پیش کی ہیں ان کے بعد اگر کوئی نہ مانے تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔ ورنہ بات تو پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی اور اتمام حجت ہو چکا۔

۸ کچھ حضرات نے توجہ دلائی ہے کہ الرسالہ مشن کی مخالفت میں جو کتابیں چھاپی جا رہی ہیں ان کا جواب دیا جائے۔ مگر یہ کتابیں اتنی لغو ہیں کہ ان کا جواب دینا وقت ضائع کرنا ہے۔ مثال کے طور پر ایک کتاب چھپی ہے "مولانا وحید الدین کی فکری قلابازیاں"۔ اس کے صفحہ ۷۰ پر "میوات کا سفر" نامی کتاب کا ذکر کرتے ہوئے درج ہے کہ "مولانا صاحب صاحب لکھتے ہیں کہ الجمعیۃ ویکلی کی ادارت کے زمانہ میں مجھے میوات جانے اور وہاں کے حالات کا قریب سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا"۔ اس اقتباس کے بعد اس میں لکھا ہے کہ "بات پوری نہیں ہوتی۔ آگے کا جملہ یہ کہ . . . . ."۔ "آگے کا جملہ یہ ہے کہ" لکھ کر جو سطریں درج ہیں وہ سراسر جھوٹ ہیں۔ اصل کتاب (میوات کا سفر) میں ایسی کوئی بات سرے سے موجود ہی نہیں۔

۹ بھارتیہ ودیا بھون کے نمائندہ مسٹر پی ورڈ راجن ۱۰ نومبر ۱۹۹۴ کو صدر اسلامی مرکز سے ملے۔ اور اسکول کے بچوں کے لئے ایک ایسی ریڈر تیار کرنے کی فرمائش کی جس میں اسلامی شخصیتوں کے پچیس اخلاقی واقعات سادہ انداز میں بیان کئے گئے ہوں۔ یہ کتاب انگریزی زبان میں ہوگی۔

۱ اسفار ہند کے نام سے ایک کتاب ترتیب کے آخری مرحلہ میں ہے۔ یہ کتاب گویا سفروں کی صورت میں ملک کے اندر دعوتی اور تعمیری امکانات کا ایک مطالعہ ہے۔

# ایجنسی الرسالہ

ماہنامہ الرسالہ بیک وقت اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اردو الرسالہ کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ ہندی اور انگریزی الرسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہونچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہونچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہونچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (ہندی اور انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

## ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو، ہندی یا انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ ۱۰۰ پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن ۳۲ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمے ہوتے ہیں۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کیے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد کی ایجنسی کے لیے ادائیگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینہ میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

## زرِ تعاون الرسالہ

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ہندستان کے لیے | | بیرونی ممالک کے لیے | (ہوائی ڈاک) | (بحری ڈاک) |
| ایک سال | Rs 70 | ایک سال | $20 / £10 | $10 / £5 |
| دو سال | Rs 135 | دو سال | $35 / £18 | $18 / £8 |
| تین سال | Rs 200 | تین سال | $50 / £25 | $25 / £12 |
| پانچ سال | Rs 300 | پانچ سال | $80 / £40 | $40 / £18 |
| خصوصی تعاون (سالانہ) | Rs 500 | خصوصی تعاون (سالانہ) | $100 / £50 | |

ڈاکٹر ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے ناس پرنٹنگ پریس دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ سی ۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی سے شائع کیا

# عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

## اُردو

| | |
|---|---|
| تذکیر القرآن جلد اول | 200/- |
| تذکیر القرآن جلد دوم | 200/- |
| اللہ اکبر | 45/- |
| پیغمبر انقلاب | 40/- |
| مذہب اور جدید چیلنج | 45/- |
| عظمت قرآن | 30/- |
| عظمت اسلام | 50/- |
| عظمت صحابہ | 7/- |
| دین کامل | 50/- |
| الاسلام | 40/- |
| ظہور اسلام | 40/- |
| اسلامی زندگی | 25/- |
| احیاء اسلام | 20/- |
| راز حیات | 50/- |
| صراط مستقیم | 40/- |
| خاتون اسلام | 50/- |
| سوشلزم اور اسلام | 40/- |
| اسلام اور عصر حاضر | 30/- |
| الربانیہ | 40/- |
| کاروان ملت | 45/- |
| حقیقت حج | 30/- |
| اسلامی تعلیمات | 25/- |
| اسلام دور جدید کا خالق | 25/- |
| حدیث رسولؐ | 25/- |
| سفرنامہ (غیر ملکی اسفار) | 85/- |
| سفرنامہ (ملکی اسفار) | - |
| میوات کا سفر | 35/- |
| قیادت نامہ | 20/- |
| راہ عمل | 25/- |
| تعبیر کی غلطی | 60/- |
| دین کی سیاسی تعبیر | 20/- |

| | |
|---|---|
| مطالعہ سیرت | 9/- |
| ڈائری جلد اول | - |
| کتاب زندگی | 40/- |
| انوار حکمت | - |
| اقوال حکمت | 20/- |
| تعمیر کی طرف | 8/- |
| تبلیغی تحریک | 20/- |
| تجدید دین | 20/- |
| عقلیات اسلام | 30/- |
| مذہب اور سائنس | - |
| قرآن کا مطلوب انسان | 8/- |
| دین کیا ہے | 8/- |
| اسلام دین فطرت | 7/- |
| تعمیر ملت | 6/- |
| تاریخ کا سبق | 7/- |
| فسادات کا مسئلہ | 5/- |
| انسان اپنے آپ کو پہچان | 5/- |
| تعارف اسلام | 5/- |
| اسلام پندرھویں صدی میں | 5/- |
| راہیں بند نہیں | 7/- |
| ایمانی طاقت | 7/- |
| اتحاد ملت | 7/- |
| سبق آموز واقعات | 7/- |
| زلزلۂ قیامت | 10/- |
| حقیقت کی تلاش | 7/- |
| پیغمبر اسلام | 5/- |
| آخری سفر | 7/- |
| اسلامی دعوت | 7/- |
| خدا اور انسان | 7/- |
| حل یہاں ہے | 10/- |
| سچا راستہ | 5/- |
| دینی تعلیم | 7/- |

| | |
|---|---|
| حیات طیبہ | 7/- |
| باغ جنت | 7/- |
| نار جہنم | 7/- |
| خلیج ڈائری | 10/- |
| رہنمائے حیات | 7/- |
| مضامین اسلام | 30/- |
| تعدد ازواج | 3/- |
| ہندستانی مسلمان | 40/- |
| روشن مستقبل | 7/- |
| صوم رمضان | 7/- |
| علم کلام | 9/- |
| اسلام کا تعارف | 4/- |
| علماء اور دور جدید | 8/- |
| سیرت رسولؐ | |
| ہندستان آزادی کے بعد | 3/- |
| مارکسزم تاریخ جس کو رد کر چکی ہے | 8/- |
| سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ | 7/- |
| الاسلام یتحدی | 85/- |

## ھندی

| | |
|---|---|
| | - |
| سچائی کی تلاش | 8/- |
| انسان اپنے آپ کو پہچان | 4/- |
| پیغمبر اسلام | 4/- |
| سچائی کی کھوج | - |
| آخری سفر | 8/- |
| اسلام کا پریچے | 8/- |
| پیغمبر اسلام کے مہان ساتھی | 8/- |
| راستے بند نہیں | 7/- |
| جنت کا باغ | 8/- |
| بھوتک واد اور اسلام | 3/- |
| اتہاس کا سبق | 9/- |
| اسلام ایک سوابھاوک مذہب | |

## English

| | |
|---|---|
| God Arises | 85/- |
| Muhammad The Prophet of Revolution | 85/- |
| Islam As It Is | 40/- |
| God-Oriented Life | 60/- |
| Religion and Science | 40/- |
| Indian Muslims | 65/- |
| The Way to Find God | 12/- |
| The Teachings of Islam | 15/- |
| The Good Life | 12/- |
| The Garden of Paradise | 15/- |
| The Fire of Hell | 15/- |
| Man Know Thyselfl | 4/- |
| Muhammad The Ideal Character | 5/- |
| Tabligh Movement | 20/- |
| Polygamy and Islam | 3/- |
| Words of the Prophet | -- |
| Islam the Voice of Human Nature | -- |
| Islam the Creator of Modern Age | -- |

## آڈیو کیسٹ

| | |
|---|---|
| حقیقت ایمان | 25/- |
| حقیقت نماز | 25/- |
| حقیقت روزہ | 25/- |
| حقیقت زکوٰۃ | 25/- |
| حقیقت حج | 25/- |
| سنت رسولؐ | 25/- |
| میدان عمل | 25/- |
| پیغمبرانہ رہنمائی | 25/- |
| اسلامی دعوت کے جدید امکانات | 25/- |
| اسلامی اخلاق | 25/- |
| اتحاد ملت | 25/- |
| تعمیر ملت | 25/- |
| نصیحت لقمان | 25/- |

## ویڈیو کیسٹ

| | |
|---|---|
| حقیقت روزہ | 150/- |

**AL-RISAL BOOK CENTRE**

**1, Nizamuddin West Market, New Delhi 110 013, Tel 4611128, Fax 4697333**

# عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر




AL-RISALA BOOK CENTRE
1, Nizamuddin West Market, New Delhi-110013
Tel : 4611128, 4697333 Fax : 91-11-4697333